CSW

مشاہدات و تاثرات

مرتبہ: ڈاکٹر سمیحہ راحیل قاضی

ویمن اینڈ فیملی کمیشن جماعت اسلامی پاکستان

CSW

مشاہدات وتاثرات

مرتبہ: ڈاکٹر سمیحہ راحیل قاضی

ویمن اینڈ فیملی کمیشن جماعت اسلامی پاکستان

انتساب

اپنے آغا جان (قاضی حسین احمدؒ) کے نام اور
اپنی مربی عزیز باجی (عائشہ منور) کے نام
جن کی وجہ سے حلقہ خواتین جماعت اسلامی نے عورت کے لئے
گلوبل پروگرام کو سمجھا اور CSW کے عالمی پلیٹ فارم پر مؤثر انداز میں
مسلمان عورت کی نمائندگی کا اعزاز حاصل کیا

فہرست

نمبر شمار	مضمون		صفحہ نمبر
01	تعارف CSW		05
02	خواتین کے حقوق و مسائل پر منعقدہ عالمی کانفرنسیں	ڈاکٹر سمیحہ راحیل قاضی	07
03	CSW 2000	ڈاکٹر سمیحہ راحیل قاضی	19
04	CSW58 2014		22
05	خواتین عالمی کانفرنس: چند مشاہدات	سینیٹر (ر) کیپٹن ڈاکٹر کوثر فردوس	23
06	بیجنگ +5 پلس فائیو کانفرنس کی روداد		26
07	مگر یہ مسئلہ زن! نیو یارک میں چند روز	ڈاکٹر صائمہ اسماء	27
08	CSW62 2018		47
09	خواتین، معاشرہ اور اقوامِ متحدہ کے پروگرام	ڈاکٹر رخسانہ جبین	48

بسم اللہ الرحمن الرحیم

CSW

کمیشن برائے UN Women کے تحت وقار نسواں کی تعریف کچھ اس طرح کی گئی ہے۔

CSW:

The Commission on the status of women(CSW) is the principal global intergovernmental body exclusively dedicated to the promotion of gender equality and empowerment of women. A functional commission of the economic and social council(ECOSOC),it was established by ECOSOC resolution 11(11) of 21June 1946.

Who Attend CSW:

حکومتی نمائندوں اور مبصرین کے علاوہ، غیر سرکاری تنظیمیں (این جی اوز) جو کہ اکنامک اینڈ سوشل کونسل ECOSOC میں تسلیم شدہ ہیں، سیشن میں شرکت کے لیے نمائندوں کو نامزد کرنے کی اہل ہیں۔

CSW67(2023)

The sixty-seventh session of the Commission on the Status of Women will take place from 6th to 17th March 2023.

Representatives of Member States, UN entities, and ECOSOC-accredited non-governmental organizations(NGOs) from all regions of the world are invited to contribute to the session.

Themes:

Priority theme:

Innovation and technological change, and education in the digital age for achieving gender equality and the empowerment of all women and girls.

Review theme:

Challenges and opportunities in achieving gender equality and the empowerment of rural women and girls(agreed conclusions of the sixty-second session(Bureau)

The Bureau of the Commission plays a crucial role in facilitating the preparation for, and in

ensuring the successful outcome of the annual sessions of the Commission. Bureau members serve for two years. In 2002,in order to improve its work and ensure continuity, the Commission decided to hold the first meeting of its subsequent session, immediately following the closure of the regular session, for the sole purpose of electing the new Chairperson and other members of the Bureau(ECOSOC decision 2002/234.)

Themes CSW62 session 2018:

Priority theme:

Challenges and opportunities in achieving gender equality and the empowerment of rural women and girls,

Review theme:

Participation in and access of Women to the media, and information and communications technologies and their impact on and use as an instrument for the advacement and empowerment of women (agreed conclusions of the forty - sevemth session):

Session Outcomes:

The outcome of the Commission's consideration of the priority theme during its 67th session will take the form of agreed conclusions, to be negotiated by all Member States.

NGO Participation:

Registration for CSW67 will be open for ECOSOC accredited NGOs from 7th October 2022 till January 2023.

مارچ2023ء کے اس سیشن میں شرکت کے لئے جماعتِ اسلامی کا ایک وفد جا رہا ہے جس میں محترمہ دردانہ صدیقی، ڈاکٹر رخسانہ جبین، افشاں نوید اور عابدہ فرحین شامل ہیں۔8مارچ2023 کے عالمی یومِ خواتین کے موقع پر ہم نے پچھلے CSW میں شرکت کی روداد وں کو مرتب کیا ہے، امید ہے آپ اسے مفید پائیں گی۔

ڈاکٹر سمیحہ راحیل قاضی
ڈائریکٹر امور خارجہ
حلقہ خواتین جماعتِ اسلامی
8مارچ2023

خواتین کے حقوق ومسائل پر منعقدہ عالمی کانفرنسیں

ڈاکٹر سمیحہ راحیل قاضی

خواتین کی عالمی کانفرنسز:

بین الاقوامی سطح پر اب تک منعقد ہونے والی خواتین کے حقوق سے متعلق تمام کانفرنسز کی جڑیں دوسری جنگ عظیم کے نتیجے میں وجود میں آنے والی بین الاقوامی تنظیم اقوام متحدہ کے قیام سے جا ملتی ہیں۔ اقوام متحدہ کے چارٹر کے مطابق دنیا سے غربت اور جہالت کا خاتمہ بنیادی انسانی حقوق کی فراہمی اور دنیا کے تمام ممالک میں بسنے والے لوگوں کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنا ہی درحقیقت اقوام متحدہ کے بنیادی مقاصد ہیں۔

انھیں مقاصد کے تحت اقوام متحدہ کے قیام (۲۶ جون ۱۹۴۵ء) کے فوراً بعد انسانی حقوق کے کمیشن (Human Right Commission) کا قیام عمل میں آیا۔

اس کمیشن کے قیام کے صرف ایک ہی سال بعد بین الاقوامی افق پر خواتین کے حقوق سے متعلق ایک اور کمیشن Women Rights Commission کا قیام عمل میں آیا۔ اقوام متحدہ کے اس کمیشن کے مقاصد بالکل وہی تھے جن کا پرچار یورپ میں فرانسیسی انقلاب کے بعد شروع ہونے والی Feminist تحریک یا آزادئ نسواں کی تحریک کے علمبردار اب تک کرتے آئے ہیں۔ اسی تحریک کے ثمرات کی روشنی میں اقوام متحدہ کے کمیشن برائے انسانی حقوق نے (Women Rights Commission) کے مقاصد کا تعین کیا جس کا سب سے بڑا نعرہ عورتوں کے لیے مردوں کے مساوی حقوق اور خواتین سے امتیازی سلوک کا خاتمہ تھا۔

۱۔ میکسیکو ۱۹۷۵ء:

۱۹۷۲ء کے اوائل میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۱۹۷۵ء کے سال کو خواتین کا عالمی سال قرار دیا اور میکسیکو شہر میں خواتین کی عالمی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔ اس عالمی کانفرنس کے مقاصد درج ذیل تھے۔

۱۔ مردوں اور عورتوں کے درمیان برابری کو پروان چڑھانا اور اسے وسعت دینا۔

۲۔ ترقی کی راہ میں عورتوں کی بھرپور شرکت کو یقینی بنانا۔

۳۔ بین الاقوامی امن وسلامتی کے فروغ میں خواتین کی شرکت کو یقینی بنانا۔

اس کانفرنس میں عالمی برادری کو باور کرایا گیا کہ دنیا کے اکثر علاقوں میں عورتوں کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا جا رہا ہے جو بتدریج ایک گھمبیر مسئلے کی

شکل اختیار کرتا جارہا ہے۔اس کانفرنس میں خواتین نے اپنے حقوق کے ادراک کے لیے جو تجاویز/سفارشات پیش کیں، وہ درج ذیل موضوعات پر مشتمل تھیں:

۱۔ تعلیم

۲۔ طبی سہولیات کی فراہمی

۳۔ سیاست میں عورتوں کی شرکت

اوراس طرح کے دیگر مطالبات

کانفرنس کے مشترکہ اعلامیے کی روشنی میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۱۹۷۵ء سے ۱۹۸۵ء تک عورتوں کا عشرہ منانے کا اعلان کردیا۔اس کے بعد خواتین کی ترقی اور حقوق کی بحالی کا ایک نیا دور عالمی اُفق پر طلوع ہوا۔اس عمل کے نتیجے میں عورتوں کی الگ حیثیت سے متعلق مباحثے منعقد کرائے گئے۔مقاصد کے تعین اوران مقاصد کی راہ میں حائل رکاوٹوں کی نشاندہی کی گئی اور حقوق نسواں سے متعلق پیش رفت کا جائزہ لیا گیا۔

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے یہ کانفرنس عورتوں کی ترقی کی بحالی کی طرف پوری دنیا کی توجہ مبذول کرانے کے لیے منعقد کی تھی تاکہ حالات کا ادراک کرکے بہترین حکمت عملی تیار کی جاسکے۔اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے مقاصد کے حصول کے لیے درج بالا تین اہم اہداف کی نشاندہی کی جنھیں عورتوں کے بارے میں اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کی بنیاد کہا جاسکتا ہے۔

1۔ میکسیکوسٹی کی کانفرنس کے اجلاس کے موضوعات تشکیل دینے میں عورتوں نے نہایت اہم کردار ادا کیا۔اس کانفرنس میں ۱۳۳ ممالک کے وفود نے شرکت کی جن میں ۱۱۳ وفود کی سربراہان خواتین ہی تھیں۔

خواتین کے عالمی سال نے اقوام متحدہ کو خواتین کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ایک لائحہ عمل دیا۔خواتین کا عالمی سال خواتین کانفرنسز کے مسلسل انعقاد میں بھرپور مددگار ثابت ہوا۔ان کانفرنسز میں خواتین کی ترقی، سلامتی اور مساویانہ سلوک سے متعلق گلوبل پالیسی ڈاکومنٹس پر توجہ مرکوز کی گئی۔

2۔ **کوپن ہیگن کانفرنس (میکسیکو کانفرنس کا تجزیہ)**

یہ کانفرنس ۱۹۸۰ء میں کوپن ہیگن میں منعقد ہوئی، اسے عورتوں کے بارے میں دوسری عالمی کانفرنس قرار دیا جاتا ہے۔اس کانفرنس میں میکسیکو کانفرنس میں جو عالمی لائحہ عمل تشکیل دیا گیا تھا، اس کا جائزہ لیا گیا۔اس کانفرنس میں ۱۴۵ رکن ممالک کے نمائندے شریک ہوئے۔کانفرنس میں تجزیہ کیا گیا کہ میکسیکوسٹی کانفرنس کے مقاصد کا حصول بہتر طریقے سے ہوجانے کے باوجود حقوق نسواں کے حصول اور استعمال کے بارے میں عورتوں کی صلاحیت میں فرق کے آثار ظاہر ہوئے ہیں۔اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے کانفرنس نے تین شعبوں میں بھرپور اقدام کرنے کی نشاندہی کی۔یہ تین شعبے درج ذیل ہیں:

۱۔ تعلیم

۲۔ روزگار

۳۔ علاج معالجہ

کانفرنس میں اس امر کی نشاندہی کی گئی کہ ان تینوں شعبوں تک خواتین کی یکساں رسائی ضروری ہے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ کوپن ہیگن کانفرنس کے اجلاس بھی سیاسی کشیدگیوں کے تناظر میں منعقد ہوئے۔ یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ اگرچہ کانفرنس کا اختتام عملی پروگرام یا عملی لائحہ عمل کی منظوری سے ہوا لیکن یہ لائحہ عمل اتفاق رائے سے منظور نہ ہوسکا۔ اس کانفرنس میں عورتوں کے قانونی حقوق اور عمومی سرگرمیوں کے سلسلے میں خواتین کی صلاحیتوں میں کمی اور فرق کے اسباب کی نشاندہی کی گئی جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ معاشرے میں عورتوں کا کردار بہتر بنانے کے کام میں مردوں کی مناسب شرکت کا فقدان۔

۲۔ نامناسب سیاسی عزم اور ارادہ۔

۳۔ معاشرے میں عورتوں کے کردار کی اہمیت تسلیم کرنے کا فقدان۔

۴۔ منصوبہ بندی میں عورتوں کی خاص ضروریات پر نامناسب توجہ۔

۵۔ فیصلہ سازی کے عمل میں اہم عہدوں پر خواتین کی کمی۔

۶۔ امداد باہمی، ڈے کیئر سنٹرز اور قرضوں کی سہولیات جیسے قومی زندگی کے شعبوں میں عورتوں کے کردار کی حمایت کے لیے نامناسب سروسز۔

۷۔ ضروری مالیاتی وسائل کی مجموعی قلت۔

۸۔ عورتوں کے لیے دستیاب مواقع کے متعلق شعور کا فقدان۔

اس کانفرنس میں حقوق نسواں کے لیے مؤثر اقدامات پر زور دینے کے ساتھ ساتھ مندوبین نے عورتوں کے بارے میں موجود قیانوسی اور روایتی رویوں کے خاتمے پر بھی زور دیا۔

دوسری کانفرنس میں دوسری مدت کے پلان آف ایکشن کا تعین کیا گیا اور مساوات کی تعریف یہ کی گئی کہ مساوات کا مطلب صرف قانونی مساوات ہی نہیں بلکہ ترقی کی راہ میں برابر مواقع، برابر ذمہ داریاں اور بنیادی حقوق میں برابری ہے۔

3۔ خواتین کی تیسری عالمی کانفرنس (1985ء نیروبی):

خواتین کی تیسری عالمی کانفرنس منعقدہ نیروبی میں تمام حاصل شدہ تجربات، خواتین کی ترقی کی راہ میں حائل رکاوٹوں اور اقدام متحدہ کے ''عشرہ برائے خواتین'' کے نتائج کا جائزہ لیا گیا، تاہم میکسیکو کانفرنس میں متعین شدہ تمام اہداف کا حصول ممکن نہ ہوسکا۔ سب سے بڑی کامیابی یہ ہوئی کہ عالمی سطح پر خواتین کے مسائل ابھر کر سامنے آئے۔ خواتین کی زندگی اور ان کے حالات پر معلومات کا بڑے پیمانے پر تبادلہ خیال کیا گیا اور ایک اہم قدم اس کانفرنس میں یہ اٹھایا

گیا کہ ترقی کی تعریف کی خواتین کے تناظر میں نئی صورت گری کی گئی۔

اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری نے نیروبی کانفرنس میں عورتوں کی ترقی کے لیے لائحہ عمل بنانے پر زور دیا اس بات کا بھی فیصلہ کیا گیا کہ آئندہ ہر پانچ سال بعد عورتوں کی ترقی کے سلسلے میں جائزہ لینے کے لیے سروے کرائے جائیں گے۔

این جی اوز کا اس کانفرنس میں شرکت کا مقصد خواتین کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا نہیں تھا بلکہ انھوں نے اقوام متحدہ کی دستاویزات کی تیاری اور حکومت کے ساتھ تنظیم سازی میں ایک نیا رخ فراہم کیا۔ خواتین نے اپنے آپ کو منظم کیا، اپنے ممالک کے ارباب اقتدار سے ملیں اور ایسے ایشوز کو متعلقہ حکام کے سامنے پیش کیا ،جن میں وہ ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے اپنے مسائل کے حل کے لیے نہ صرف مقامی سطح پر بلکہ بین الاقوامی طور پر بھی عملی اقدامات کیے۔ مزید برآں این جی اوز کے نمائندے سرکاری کارروائی کی نگرانی اور حکومتی وفود سے مترجم اور دیگر ایشوز پر بات چیت کرنے کے لیے موجود تھے۔

اس تصور کو علاقائی یا بین الاقوامی منصوبہ بندی کی کمیٹیوں کے ذریعے این جی اوز نے خود فروغ دیا۔ انھوں نے اس تصور کے فروغ کے لیے سیمینارز، لیکچرز، ورکشاپس، نمائش، مظاہرے، اجلاس، تھیٹرز، میوزیکل کنسرٹ اور دوسرے فنکارانہ ذرائع کو بھی استعمال کیا۔

نیروبی کانفرنس عورتوں کے مساویانہ حقوق اور ان سے متعلق اقوام متحدہ کے خواتین سے متعلق عشرے کی کامیابی کا جائزہ لینے کے لیے منعقد کی گئی تھی۔ اس میں غیر سرکاری تنظیموں کے 15000 نمائندے شریک ہوئے۔ اس کانفرنس کو بیشتر شرکاء نے عورتوں کے مساویانہ حقوق کے لیے عالمی تحریک کا آغاز قرار دیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ میکسیکو کانفرنس کے موقع پر عالمی اقتصادی اور سیاسی صورت حال کی وجہ سے جو اختلافات کشیدگی اختیار کر چکے تھے، ان دس برسوں کی محنت کے بعد ترقی، مساوات اور امن کے پرچم تلے ایک متحدہ بین الاقوامی قوت بن گئے۔ لیکن اعداد و شمار کی روشنی میں تجزیہ کرنے پر یہ بات سامنے آئی کہ کوپن ہیگن کانفرنس کے بعد عورتوں کے حقوق کے لیے کیے جانے والے اقدامات ناکافی ثابت ہوئے۔ اس کانفرنس میں شرکاء نے یہ فیصلہ کیا کہ اہداف کے حصول کے لیے نئی حکمت عملی طے کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ گزشتہ صدی کے اواخر تک کے لیے ایک ترقی پسندانہ حکمت عملی طے کی گئی اور شرکاء نے اس کو اتفاق رائے سے منظور کر لیا۔ اس دستاویز میں کہا گیا کہ تمام مسائل عورتوں ہی کے مسائل ہیں۔

اس کانفرنس میں تمام انسانی معاملات کے حل اور فیصلہ سازی کے سلسلے میں خواتین کی شرکت کو سیاسی اور سماجی ضرورت قرار دینے کے علاوہ ان کو خواتین کا جائز حق تسلیم کیا گیا۔ اقوام متحدہ کی طرف سے کتاب ''خواتین 2000'' نامی دستاویز جن میں بنیادی اقدامات کی نشاندہی کی گئی، وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ آئینی اور قانونی اقدامات

۲۔ سماجی شرکت میں مساوات

۳۔ سیاسی شرکت اور فیصلہ سازی میں مساوات

یہاں یہ امر نہایت اہم ہے کیونکہ اس کانفرنس میں تمام مسائل کو عورتوں کے مسائل قرار دیا گیا تھا۔ لہٰذا اس ترقی پسندانہ دستاویز میں روزگار، صحت، تعلیم،

سماجی بہبود سے لے کر سائنس، صنعت، مواصلات اور ماحول تک ہر شعبے میں اقدامات کی سفارش کی گئی۔ بعدازاں اس کانفرنس کی دستاویزات کی پیروی کرتے ہوئے جنرل اسمبلی نے اقوام متحدہ سے کہا کہ عالمی ادارے کے تمام شعبوں میں عورتوں کے مسائل سے متعلق مراکز قائم کیے جائیں۔

قاہرہ کانفرنس:

ستمبر 1994ء میں اقوام متحدہ کی طرف سے قاہرہ میں بہبود آبادی کانفرنس کے نام سے ایک اور کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔ اس کانفرنس کے ذریعے اقوام متحدہ کے ممبر ممالک میں جنسی آزادی اور جنس زدہ ثقافت کو رائج کرنے کے لیے اقدامات کیے گئے۔ اس کانفرنس میں بھی خواتین کے حقوق کو انسانی حقوق قرار دیا گیا اور اس بات پر زور دیا گیا کہ رکن ممالک عورت کو ممکنہ حد تک مرد کے مساوی حقوق دیں۔

گزشتہ کانفرنسوں میں پیش کی جانے والی تمام قراردادوں کے علاوہ جو نئے امور قابل غور قرار پائے، ان میں عورتوں کو روزگار کی ب آسانی فراہمی اور عورتوں پر تشدد کا خاتمہ شامل تھا۔

کانفرنس میں اس بات پر زور دیا گیا کہ قوانین اور اصول وضوابط کے تحت ان تمام باتوں پر عمل کرنے کے لیے رکن ممالک حتیٰ الوسع جدوجہد کریں۔

4۔ بیجنگ کانفرنس.....خواتین کی چوتھی عالمی کانفرنس:

بیجنگ میں خواتین کی چوتھی عالمی کانفرنس (15 ستمبر 1995ء) کے سولہویں مکمل اجلاس میں عملی لائحہ عمل BPFA کی منظوری دی گئی۔ عملی لائحہ عمل، خواتین کو فیصلہ سازی کا حق دینے میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اس لائحہ عمل کے تحت خواتین کی حیثیت کو بہتر بنانے کے لیے 12 اہم اور توجہ طلب شعبے جن میں خواتین اور غربت، تعلیم وتربیت، صحت، تشدد، جنگی حالات، معیشت، حکومت اور فیصلہ سازی میں خواتین کا کردار، خواتین کی ترقی اور انتظامی طریقہ کار، خواتین کے انسانی حقوق، خواتین اور میڈیا اور ماحولیات اور بچیوں پر کام کرنے کا فیصلہ کیا گیا تاکہ دنیا بھر میں خواتین کی بنیادی آزادیاں، انسانی حقوق، گھر اور کام میں ہر سطح اور ہر مرحلے پر مردوں کے برابر حقوق دلانے کی حکمت عملی طے ہوجائے۔

اس کانفرنس کی سب سے اہم بات یہ تھی کہ ملکی سربراہان سے لے کر غریب طبقے تک ہر سطح کی خواتین کانفرنس میں شریک ہوئیں۔ اس کانفرنس کو بیسویں صدی میں عورتوں کا سب سے بڑا اجتماع قرار دیا جاتا ہے۔ اس کانفرنس میں تقریباً 30,000 خواتین نے شرکت کی۔ اس کانفرنس میں 12 مسائل کی نشاندہی کی گئی، جنھیں عورتوں کی بہبود کی راہ میں بڑی رکاوٹ تصور کیا جاتا ہے۔

بیجنگ کانفرنس میں جو بنیادی تبدیلی دیکھنے میں آئی وہ یہ تھی کہ عورتوں کے مسائل سے توجہ ہٹا کر عورتوں اور مردوں میں مساوات کے نظریے پر توجہ مرتکز کی گئی۔ اس کانفرنس میں تسلیم کیا گیا کہ معاشرے کے پورے ڈھانچے اور اس میں عورتوں اور مردوں کے تمام تعلقات کا دوبارہ جائزہ لیا جائے کیونکہ تشکیل نو کے ذریعے ہی عورت کو مکمل اختیارات مل سکتے ہیں اور عورت زندگی کے تمام شعبوں میں مردوں کے مساوی فریق بن کر اپنا مقام حاصل کرسکتی ہے۔ یہ بنیادی تبدیلی اس عزم کی آئینہ دار تھی کہ خواتین کے بھی انسانی حقوق ہیں نیز صنفی مساوات ایک عالمگیر مسئلہ ہے۔

اس کانفرنس نے متفقہ طور پر اعلان بیجنگ اور پلیٹ فارم فار ایکشن کو منظور کیا جو اکیسویں صدی میں عورتوں کی بہبود و ترقی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ''پلیٹ فارم فار ایکشن'' میں ان 12 مسائل کی نشاندہی کی گئی جن کا تذکرہ پہلے آ چکا ہے۔

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ''پلیٹ فارم فار ایکشن'' کی توثیق کرتے ہوئے اقوام متحدہ کے ذیلی اداروں، بین الاقوامی تنظیموں، غیر سرکاری تنظیموں، نجی شعبوں اور تمام ملکوں پر زور دیا کہ کانفرنس کی سفارشات پر عمل درآمد کے لیے مؤثر اقدامات کیے جائیں۔ اقوام متحدہ کو ''پلیٹ فارم فار ایکشن'' پر عمل درآمد کی نگرانی کا اہم کا بھی سونپا گیا۔

5۔ بیجنگ پلس فائیو کانفرنس:

خواتین کی چوتھی عالمی کانفرنس (بیجنگ) کے پانچ سال گزرنے کے بعد مختلف ملکوں میں عمل درآمد کا جائزہ لیا گیا اور ختم نہ ہونے والے اور نئے ابھرنے والے مسائل کی نشاندہی کی گئی تا کہ اس سے متعلق ان ممالک میں ہونے والی پیش رفت اور ناکامیوں کو جانچا جا سکے اور اس ضمن میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے حکمت عملی طے کی جا سکے۔ بیجنگ پلس فائیو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے خصوصی اجلاس کے طور پر 5 تا 9 جون 2000ء نیویارک میں منعقد ہوئی۔ ان بارہ نکات پر جو بیجنگ میں لائحہ عمل کے طور پر دیے گئے تھے، ان کا جائزہ لینے کے لیے اس کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔

اس کانفرنس کو درج ذیل عنوان دیا گیا:

"Women 2000, Gender Equality, Development & Peace in the Twenty First Century"

(دو ہزار کی خواتین اور اکیسویں صدی میں صنفی مساوات، امن اور ترقی)

اس کانفرنس کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں بیجنگ کانفرنس کے طے شدہ بارہ نکاتی ایجنڈے کی توثیق کو اقوام متحدہ کی جانب سے تمام ممبر ممالک پر حکماً نافذ کرنا تھا۔ نیز خلاف ورزی کرنے پر اقوام متحدہ عالمی مجرم ممالک کے خلاف ایکشن لینے کی مجاز قرار پائی تھی۔

اس کانفرنس کی تیاریاں 1995ء میں ہونے والی بیجنگ کانفرنس کے فوراً بعد شروع ہوئیں تاہم 1999ء اور 2000ء میں تیاریاں عروج پر پہنچیں۔ اس کے لیے دنیا کے مختلف علاقوں میں گاہے بہ گاہے علاقائی کانفرنسیں منعقد کرائی جاتی رہیں۔ ان میں نیویارک میں 15 مارچ 1999ء کو ہونے والی (Prep.com) کے علاوہ 27 فروری سے 17 مارچ تک نیویارک میں ہونے والی کانفرنس نیز کھٹمنڈو، بنکاک اور دیگر ممالک میں ہونے والی علاقائی کانفرنسیں شامل ہیں۔

اس کے 12 عنوانات ہیں جن کو Twelve Critical Areas کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جو مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ عورت اور غربت — 1-Women and Poverty

۲۔ عورت کی تعلیم و تربیت — 2- Education and Trainning of Women

3-Women and Health	۳۔عورت اور صحت
4-Víolence against Women	۴۔عورت پر تشدد
5-Women and armed Conflict	۵۔عورت اور مسلح تصادم
6-Women and Economy	۶۔عورت اور معیشت
7-Women Empowerment and Decision Making	۷۔عورت اور فیصلہ سازی
8-Institutional Mechanism for the advancement of Women.	۸۔عورت اور ادارہ جاتی نظام
9-Human Rights of Women	۹۔عورت کے انسانی حقوق
10-Women and Media	۱۰۔عورت اور ذرائع ابلاغ
11-Women and Environment.	۱۱۔عورت اور ماحول
12-The Girl Child	۱۲۔نوعمر لڑکی
13-Women with Disabilities	۱۳۔معذور عورت

پاکستان نے ان 12 نکات میں ایک نکتے کا مزید یہ اضافہ کیا اور وہ تھا ''معذور عورت'' اور یہاں پر اسے 1+12 کہا جاتا رہا ہے۔

یہ اجلاس اصلاً 1995ء میں چین کے دارالخلافہ بیجنگ میں ہونے والی کانفرنس کا جائزہ تھا۔ اس کانفرنس میں بھی 189 ملکوں اور ہزاروں این جی اوز نے شرکت کی اور اس کا مقصد BPFA کی دستاویز کا جائزہ برائے عمل درآمد اور آئندہ سالوں کے لیے صنفی مساوات کے حصول کے لیے نئے اقدام تجویز کرنا اور ان پر اتفاق رائے پیدا کرنا تھا۔ بیجنگ پلیٹ فارم ایکشن (BPFA) کو اقوامِ متحدہ میں عورت کو با اختیار بنانے کے عمل میں بنیادی دستاویز کی حیثیت حاصل ہے۔

1995ء میں جب سے یہ راہِ عمل عورت کے لیے تجویز کی گئی ہے اس وقت سے مختلف حلقوں میں اس پر بحث جاری ہے۔ مسلمان معاشروں نے اس دستاویز کے کچھ حصوں پر سخت ردِ عمل کا اظہار کیا ہے اگرچہ اس کے اکثر مندرجات سے اسلامی تحریکیں اس بات پر متفق ہیں کہ آج کی جدید تہذیب نے بھی عورت کو بطورِ انسان وہ حقوق عطا نہیں کیے جس کی وہ حق دار ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ آج کے مسلمان معاشروں میں بھی اسے پورے حقوق حاصل نہیں ہیں جو اسے اس کے رب، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے دین نے عطا کیے تھے۔ لیکن اس دستاویز کے ان حصوں پر اسلامی ممالک کو شدید اعتراضات ہیں جو ان کی معاشرتی اور دینی اقدار اور شعائر کو ملیامیٹ کر دینے والے ہیں یا جس میں عورت کو مرد کے مدِ مقابل لا کر کھڑا کیا گیا ہے یا جس نے خاندان کے ادارے کو

سخت خطرات سے دوچار کر دیا ہے۔

مسلمان ممالک کی نمائندہ این جی اوز کا کردار بھی ملا جلا رہا۔ بالعموم یہ خواتین جو اسلام اور دین کا ذکر آنے سے بھڑک اٹھتی ہیں۔ جو صرف عورتیں ہیں اور عورتوں کے حقوق کی بات کرنے کے لیے وہاں پہنچی ہیں۔ لبنان، مصر سمیت بہت سے اسلامی ممالک کی این جی اوز نمائندہ اسی گروپ سے تعلق رکھتی ہیں۔ پاکستانی این جی اوز کا بھی حکومت سے پرزور اصرار تھا کہ بیجنگ اور سیڈا کے تحفظات واپس لئے جائیں جو کہ پاکستانی گورنمنٹ نے اس بین الاقوامی معاہدے پر دستخط کرتے ہوئے عائد کئے تھے کہ یہ معاہدہ جہاں اسلامی اقدار و روایات کے خلاف ہوگا۔ ہم اس پر عمل کرنے کے پابند نہیں ہوں گے۔ ہماری این جی اوز نے اپنی رپورٹ میں اسلامی نظریاتی کونسل کو ہدف تنقید بنایا اور اس کے خاتمہ کے لیے سفارش بھی کی۔

کچھ مسلمان این جی اوز اور کارکنان کا بڑا مثبت کردار ادا رہا۔ رابطہ عالمی اسلامی کی طرف سے ''**مسلمان خواتین اور این جی اوز کا طرزِ عمل**'' پر سیمینار ہوا جس میں کہا گیا کہ ہم قرآن اور شریعت کو سپریم قانون مانتے ہیں اور کوئی اور معاہدہ، مذہبی اعتقادات اور اسلامی اقدار کے منافی ہم پر کچھ لاگو نہیں کر سکتا اور یہ عالمی اعلامیہ برائے انسانی حقوق کے بھی منافی ہوگا جس میں ہر فرد کی مذہبی آزادی کو تسلیم کیا گیا ہے کہ اسے کسی معاہدے یا دستاویز کے ذریعے ایسے امور کا پابند کیا جائے۔

لیکن مجموعی طور پر مسلمان ممالک اور این جی اوز کا کردار امتِ مسلمہ کے انتشار کی ترجمانی کر رہا تھا۔ جس کو آئندہ مضبوط بنانے کی ضرورت ہے اور سیکولر خواتین کی بجائے پرعزم اسلام پسند خواتین کو اس محاذ پر موثر کردار ادا کرنے کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ پاکستان مشن کا کردار اس موقع پر مثبت رہا۔ انہوں نے اسلامی اقدار اور پاکستان کے مفادات کے خلاف کسی عمل کا حصہ نہ بننے کے عزم مصمم کا اظہار کیا اور پھر اس کو نبھایا۔ زبیدہ جلال صاحبہ، مشن کے شمشاد صاحب، منور بھٹی صاحب نے تجدید عہد کرتے ہوئے تحفظات برقرار رکھے اور مسلم ممالک ایران، سوڈان، لیبیا، سعودی عرب، الجزائر اور کیتھولک ممالک کے ساتھ مشترکہ بلاک بنا کر دستاویز میں نئے اضافے روکنے میں موثر کردار ادا کیا اور اس پر اصرار کیا کہ اصولی طور پر گذشتہ کام ہی پورا نہیں ہوا، آئندہ اسی پر توجہ رکھی جائے اور نئی شقیں شامل نہ کی جائیں۔ اس میں یہ کامیاب ہوئے ہیں۔ الحمدللہ پاکستان کا اس میں مرکزی رول رہا ہے۔ ہمارے وفد نے بھی حکومت کے اس موقف کی پرزور تائید کی۔

ہم نے وہاں ترقی نسواں، ایک حقیقی طرزِ عمل کے عنوان سے ایک ورقہ تقسیم کیا جس میں خاندانی نظام کے استحکام اور صنفی ٹکراؤ سے معاشرہ کو بچانے کا اہتمام کرنے اور ممبر ممالک کے اعتقادات اور اخلاقیات کے احترام پر زور دیا گیا۔ تاکہ اقوام متحدہ کا ادارہ تمام ممالک کو ایک جگہ جمع رکھ سکے۔

مسئلہ کشمیر پر ایک مظاہرہ کیا گیا۔ مختلف فورمز میں شرکت کر کے اپنا نقطہ نظر واضح کیا کہ مسلمان مرد اور عورت کے لئے مقام فکر ہے کہ آج مسلمان معاشرے کی ایک اکائی عورت کے حقوق کے لیے عمل درآمد اور نمائندہ ادارہ اقوام متحدہ اور سیڈا بیجنگ پلیٹ فارم فار ایکشن اور بیجنگ پلس فائیو جیسے بین الاقوامی معاہدات بن رہے ہیں جو کہ سیکولر ہیں اور بین الاقوامی دباؤ کے ساتھ ملکوں کو اس پر عمل درآمد کا پابند بنایا جا رہا ہے۔ رقوم دے کر ان ملکوں میں کھڑی کی گئی این جی اوز کے

ذریعے سے اس کے ہر جز وکولاگو کروایا جارہا ہے۔

اسلام اپنا ایک نظریہ زندگی اور اس کی روشنی میں طے پائی ہوئی اپنی تہذیب رکھتا ہے۔ اسلامی معاشرے اور اس کے جز وخاندانی نظام میں افراد عورت ومرد دونوں کے حقوق وفرائض طے ہیں۔ اسلام کے دیئے گئے حقوق ہمارے نام نہاد اسلامی معاشرے میں پوری طرح عورت کو نہیں دیے جاتے۔ گر ہم اس بین الاقوامی تہذیبی تسلط سے بچنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی عورت کو وہ سارے حقوق دینے ہوں گے جو اسے اسلام دیتا ہے اور دور جدید کے مسائل سے نمٹنے کے لیے اجتہاد کے ذریعے راہنمائی دینا ہوگی۔ جہاں اسلام کے دیے گئے حقوق پامال ہوتے ہیں، وہاں اس کا پشتیبان بن کر کھڑا ہونا ہوگا۔ یہ صرف عورت کی فکر نہیں، مرد کو بھی یہ فکر کرنا ہوگی اور معاشرے کے ہر ذی شعور طبقے کو اس میں اپنا حصہ ڈالنا ہوگا وگرنہ معاشرہ مجموعی طور پر بگاڑ وانتشار کا شکار ہوجائے گا۔

دنیا کی تمام عورتوں کے لیے بھی، اسلام میں عورت کے حقوق وفرائض کا عملی نمونہ قابل تقلید بن سکتا ہے۔ رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے اس موقع پر اپنے ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا گیا کہ اقوام متحدہ کے ممبرز نہ صرف ممالک ہیں بلکہ وہ مختلف تہذیبیں، اعتقادات، اقدار، رواج اور تاریخ کے حامل ہیں ان تمام طرح کے لوگوں کو ایک تعاون کی چھت کے نیچے اکٹھا کرنے کے لیے تاکہ وہ عالمی گاؤں بنی ہوئی دنیا کے مسائل مشترکہ طور پر مل جل کر حل کرسکیں، ضروری ہے کہ ان کے مابین موجود ان اختلافات کا لحاظ رکھا جائے۔ یہ لازم ہے کہ ہم ان کے بنیادی اختلافات کو تسلیم کریں اور ان کو برداشت کریں۔

اس اصول سے انحراف کرتے ہوئے بیجنگ معاہدہ کی وہ شقیں جو کہ دو صنفوں کے باہمی تعلقات کے متعلق ہیں، اگر منظور کرلی جاتی ہیں تو یہ UN کو کمزور کرنے کا باعث ہوں گی کہ ممبر ممالک ان پر عمل درآمد نہ کرسکیں گے۔ ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ بطور مسلمان ہم UN یا کسی اور ادارے ومعاہدے کو اپنے دینی اعتقادات اخلاقی اور اقدار کے وضع کرنے والے ادارے کے طور پر تسلیم نہیں کرتے۔ ہمارے لیے ان بنیادی امور کے لیے منبع ومرکز قرآن وسنت ہیں۔ یہ ہماری مذہبی اقدار کا ہی مطالبہ نہیں بلکہ یہ انسانی حقوق کے بین الاقوامی اعلامیہ کا بھی تسلیم کردہ حق ہے کہ ہر فرد کی مذہبی آزادی کے حق کو تسلیم کیا جائے گا۔ یہ آزادی بے معنی ہے اگر مذہب کے پیروکاروں کو مجبور کیا جائے کہ دوسروں کے مطالبوں اور فیصلوں کو جو ان کے مذہب کے خلاف ہوں کہ ماننے اور اس پر عمل درآمد کا پابند کیا جائے۔ ہمارا دین واضح طور پر بتاتا ہے کہ اس میں شادی سے پہلے صنفی تعلق، شادی کے علاوہ صنفی تعلق اور ہم جنس پرستی گناہ ہیں۔ ان کو قانونی تحفظ دینا یا ان کو معاشرے میں تسلیم کرنا، مذہب کو پس پشت ڈالنا ہے۔

یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ مذہب اسلام انسانی زندگی گزارنے کا ضابطہ وطریقہ ہے۔ سیکولرازم بھی ایک مذہب کے طور پر ابھر رہا ہے، اس لحاظ سے ظاہر ہے کہ یہ دوسرے مذاہب یا طریق زندگی کو دبانا چاہتا ہے اور اس کے وکیل اس کو بین الاقوامی سمتوں کے لحاظ سے دوسروں پر تھوپنا چاہتے ہیں۔ اس رائے میں ہم اکیلے نہیں ہیں کہ ایسی سفارشات کو جو خاندانی نظام کو تباہ کرنے والی، اخلاقیات کو انحطاط پذیر کرنے والی اور فرد کو بے محابہ آزادی دینے والی ہیں انجام کار معاشرے کو تباہ کرنے والی ہونگی۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ عورت کے حقوق کی تلافی ہوتی ہے مگر اس کے حل کے لیے بہتر راستے تلاش کیے جانے چاہئیں۔

بیجنگ 5+B کے مباحث:

۱۔ قرآن کی آیات ہمیں بتاتی ہیں کہ مرد اور عورت ایک دوسرے کے رفیق، معاون اور مددگار ہیں جبکہ آج ان دونوں کو ایک دوسرے کا مدِ مقابل اور ایک دوسرے کے حقوق کو غصب کرنے والا گردانا گیا ہے۔

۲۔ خاندان جو کہ معاشرے کی بنیادی اکائی ہے۔ اچھے خاندان سے اچھا معاشرہ بنتا ہے جبکہ تہذیب جدید نے خاندان اور خاندانی نظام کا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔ وہاں سارے حقوق فرد کو حاصل ہیں، افراد کے مجموعے کو نہیں اور وہاں تو سب سے زیادہ بحث ہوئی ہی خاندان کے نام پر کہ مسلمان ممالک نے Natural Family کے تحفظ پر زور دیا جب کہ لبرل لابی ہر قسم کے افراد کے مجموعے کو خاندان قرار دیتی رہی۔ اس میں (عورت اور عورت، مرد اور مرد) اور بغیر نکاح اور قانونی بندھن کے مرد اور عورت کے مجموعے بھی خاندان ہیں۔ جن کو پورے پورے حقوق حاصل ہونے چاہییں۔

۳۔ بلدیاتی اداروں سے لے کر سینٹ تک 33 فیصد نمائندگی کے اوپر بحث کی گئی۔

۴۔ خاندانی منصوبہ بندی کے عنوان نے نت نئے طریقوں کے ذریعے دنیا کی آبادی کو اپنی مرضی سے گھٹانے بڑھانے کا اختیار حاصل کرنا اور ایک نئی اصطلاح Genetic Engineering کے ذریعے آئندہ آنے والے سالوں میں ممالک اور عوام جینیاتی تبدیلیوں کا شکار بننے والے ہیں۔

۵۔ کم عمری کی شادی پر سزا مگر بچوں کے حقوق کے نام پر ان ناجائز تعلقات پر کوئی پابندی نہیں اور آج امریکہ میں Young Mothers ایک بہت بڑا مسئلہ بن چکی ہیں۔ دونوں امور پر مثبت توجہ کی ضرورت ہے۔

۶۔ خواتین کو نس بندی کا اختیار دیا جائے۔ 120 دن کے اندر اسقاط کی اجازت۔

۷۔ جنسی تعلیم پرائمری سطح سے ہی دی جائے اگرچہ مغربی ممالک اس بات پر قائل ہو چلے ہیں کہ ہر طرح کے صنفی آگاہی کے باوجود صنفی تشدد کے رجحان میں اور جنس کے حوالے سے بیماریوں میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ اضافہ ہی ہوا ہے۔

۸۔ عورت معاشی عدم مساوات کا سب سے زیادہ اور سب سے بڑا شکار رہی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ کہ عورت کے گھر کے کام کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ لہٰذا اس کے گھر کے کام کا اسے معاوضہ دیا جائے اور بچوں کے پیدائش کا بھی اسے معاوضہ دیا جائے تاکہ وہ معاشی میدان میں مرد کے برابر آجائے۔ یعنی عورت اور مرد کی رفاقت صرف دنیاوی لحاظ سے ناپی جائے۔ اس میں ایک دوسرے کے لیے محبت، الفت، ایثار، قربانی کے جذبات ختم کر دیے جائیں، جس میں ایک عورت اپنے شوہر، بچوں، بہن، بھائی اور ماں باپ کے لیے اپنی ساری قوتیں اور صلاحتیں لگا دیتی ہے تو دوسری طرف مرد اپنی بیوی، ماں اور بیٹی کے لیے اپنی ساری زندگی اور محبت سے حاصل کی ہوئی کمائی ان پر صَرف کر کے خوشی محسوس کرتا ہے۔

۹۔ ایک نئی اصطلاح ان دستاویزات میں سامنے آئی جو کہ ''ازدواجی عصمت دری'' کے عنوان سے تھی۔ یہ معاشرے سے حیا کے چلن کو ختم کرنے اور خاندان کے اندرونی معاملات کو سرِ بازار اچھالنے کے قابل نفرت کوشش ہے کہ اگر بیوی کی رضامندی کے بغیر شوہر اس سے تعلقات قائم کر لے تو اسے سزا ملنی

چاہیے اور بیوی اس معاملے کو عدالت میں لے کر جائے۔اس عدالتی کاروائی کے بعد اس میاں بیوی اور ان کے بچوں کا آگے کیا ہوگا کسی کا اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

۱۰۔ Homosexuality یعنی ہم جنس پرستی کو تسلیم کرنے اور ہم جنس پرست لوگوں کے حقوق کو تسلیم کرنے کے لیے اقوامِ متحدہ کی لابیز میں کوششیں عروج پر پہنچی ہوئی ہیں۔ہم جنس پرست عورتوں یعنی Lesbians کے گروپس اقوامِ متحدہ کی لابیوں میں زور وشور سے سرگرم عمل ہیں۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کس قسم کا معاشرہ بننے کو جارہا ہے۔

۱۱۔ طوائفوں کو Sex Workers کا نام دے کران کے حقوق کی بات ہورہی ہے کہ وہ بھی دوسری عورتوں کی طرح ایک کام کرتی ہیں ان کے کام کو بھی تسلیم کیا جائے اور یہ اندازہ ہورہا ہے کہ بنیادی انسانی اخلاق سے انسان عاری ہورہے ہیں اور تمام مذاہب کے لوگوں کو جو انسانی شرف اور انسانی تکریم پر یقین رکھتے ہیں، اکٹھا ہوکر حیا کا بند باندھنے کے لیے جدوجہد کی ضرورت ہے۔

یہ وہ نکات تھے جو پچھلی صدی کے نصف سے شروع ہوکر اس صدی کے آغاز تک آزادیِ نسواں کے حقوق کے علمبرداروں کے کام کی وجہ سے آج چیلنج کی حیثیت سے نمایاں ہوکر ہمارے سامنے آئے۔

دنیا ایک Global Village کی صورت اختیار کرچکی ہے اگرچہ ہر دور میں حق بات کے حامی تھوڑے رہے ہیں اور ان کے پاس ظاہری اعتبار سے وسائل بھی کم رہے ہیں مگر اس بات کا یقین کرکے ہم نے اس کانفرنس میں شرکت کی۔

''اللہ کے حکم سے کتنے ہی تعداد میں کم گروہ تعداد میں زیادہ گروہوں پر غالب آگئے اور صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔''

اگرچہ ابتداء میں ہمیں ECOSOC مشاورتی حیثیت بھی حاصل نہ تھی اور بیجنگ میں شرکت بھی نہیں کی تھی، مگر ان سارے معاملات سے اپنے آپ کو باخبر رکھا تھا اور اس بات کا ارادہ کیا تھا کہ جب عورت کے عنوان سے ہم ہر میدان میں مصروفِ عمل ہیں۔تو یہ سب سے اہم میدان ہماری نظروں سے کیوں اوجھل ہوں اور نیویارک میں منعقدہ اجلاس Women 2000 جس کو بیجنگ پلس فائیو کا نام دیا گیا تھا، شرکت کی۔اس ساری شرکت میں اقوامِ متحدہ کے مستقل مندوب محترم شمشاد احمد صاحب، ان کے ساتھ فرسٹ سیکرٹری منور بھٹی صاحب اور ان کی ٹیم نے ہماری بے حد معاونت کی۔حکومتی وفد کے ساتھ جو کہ مسز زبیدہ جلال کی قیادت میں آیا تھا، ملاقاتیں بہت مفید رہیں اور انہوں نے بھی مسلمان عورتوں کی اچھی نمائندگی کی۔

نیویارک سے ہمارا وفد واشنگٹن گیا۔وہاں ایران کی ایک لابسٹ خاتون سسٹر انیسہ جو ایک امریکی مسلم خاتون تھیں نے ہمیں بڑا متاثر کیا۔امریکہ میں موجود مسلمان خواتین کو ان جیسی خواتین سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔وہ عورت کے عنوان سے اقوامِ متحدہ کے پورے کردار سے مکمل آگاہ تھیں۔اللہ کے اوپر مکمل بھروسے کے ساتھ اپنے تھوڑے سے وسائل کے ساتھ میدانِ عمل میں مصروف تھیں۔انہوں نے ہمیں تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کی ملاقات میں اقوامِ متحدہ کے اجلاس میں زیرِ بحث آنے والے 74 صفحات کا متن اس کی floppy ڈسک اور اس کے اوپر بطور ایک مسلمان خاتون کے تبصرے کا مواد فراہم کیا۔

2 جون سے 11 جون 2000ء تک ہم نیو یارک کی مختلف جگہوں نیو یارک یونیورسٹی، کولمبیا یونیورسٹی، چرچ سنٹر اور یو این کی بلڈنگ میں منعقد مختلف این جی اوز کے پروگراموں میں شریک رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پاکستانی مشن اور او آئی سی اور رابطہ عالمِ اسلامی، عرب، ایرانی، افریقی اور جاپانی فورمز میں شریک رہے اور مختلف مذاہب کے مشترکہ فورمز میں مسلمان عورتوں کی نمائندگی کی۔ کشمیری عورتوں نمائندگی کے لیے ہمارے وفد میں محترمہ شمیم شال موجود تھیں۔

اس کانفرنس کی ایک خاص بات یہ تھی کہ اسلامی تحریکوں کی خواتین نے پہلی بار اس میں شرکت کی۔ لہذا ان کی کوششیں تھوڑی غیر مربوط اور بغیر کسی مناسب منصوبہ بندی کے معلوم ہوئیں۔ لیکن مستقبل کے لیے بہت معلومات ملیں اور مختلف فورمز پر اپنی آواز بلند کی جو لوگوں کو پہلی دفعہ اجنبی لگی۔ مراکش کی مسلمان خواتین اسلام کے بے مثال مظاہرے کی بازگشت ایک مسلم وویمن فورم میں سنائی دی۔ لیکن ابھی تک بطورِ مجموعی مسلم خواتین اسلامی تحریکیں اور مسلمان حکومتیں اقوامِ متحدہ کے پروگرام سے صَرفِ نظر کیے ہوئے ہیں۔ غفلت اور چشم پوشی کا یہ رویہ ختم ہونا چاہیے۔ تمام اسلامی تحریکوں اور خاص طور پر امریکی مسلم خواتین کو میدانِ عمل میں سرگرم ہونا چاہیے تاکہ اسلام کے خوبصورت نظام کو آج کی سسکتی عورت کے سامنے لایا جائے۔

ہم سب کے اوپر ہمارے دین کا یہ حق ہے کہ جو لوگ ناواقف ہیں ان تک Approch کی جائے۔ یہ Global Village کا زمانہ ہے۔ Information Technology کا زمانہ ہے۔ بہت کم وقت میں ہم زیادہ لوگوں تک اپنی دعوت پہنچا سکتے ہیں۔ اسلام Logic اور دلیل کا مذہب ہے۔ Educated لوگوں کے لیے Appeling way of Life ہے۔ لہذا ہم سب کو اپنے حصے کا کام کرنا چاہیے۔ آغاز کرلیں، انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ہمارے 95 فیصد لوگ انجام کے خوف سے آغاز ہی نہیں کرتے۔ قدم بڑھائیں آپ کو جو بھی کام آتا ہے جتنا بھی آتا ہے اسے کر ڈالیں۔

شکوۂ ظلمتِ شب سے تو کہیں بہتر تھا
اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے

☆.....☆.....☆

CSW 2000 B+5

ڈاکٹر سمیحہ راحیل قاضی

نومبر 1999ء میں ایرانی این جی اوز کے ایک نیٹ ورک نے، جو اپنی پبلی کیشن باقاعدگی سے ہمیں بھجواتا رہتا ہے ایک اطلاعاتی رپورٹ بھیجی کہ جون 2000ء میں اقوام متحدہ کے زیر اہتمام ایک خصوصی اجلاس نیویارک میں منعقد ہو رہا ہے جس میں اقوام عالم سے بیجنگ میں طے شدہ پلیٹ فارم فار ایکشن کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اس پر کتنا عمل درآمد ہوا ہے اور آئندہ کے لیے اقوام متحدہ ایک خصوصی دستاویز جاری کرے گا جس میں آئندہ صدی کے لیے عورت کے کردار کے خدوخال کو اجاگر کیا جائے گا۔ اس سارے Process کو Beijing+5 کا نام دیا گیا ہے۔

اس خصوصی اجلاس کو Women 2000-Gender Equality Peace and Development کا عنوان دیا گیا تھا۔

یہ معلوماتی رپورٹ جیسے ہی ملی اس کا اردو ترجمہ کرا کر اس کی 20 فائلیں بنوائی گئیں اور پاکستان کے مختلف گوشوں میں خواتین کو پہنچائی گئیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ حلقہ خواتین کو پاکستانی این جی اوز کی تیاریوں کی خبر ملی جو Prep.com کے لیے تیار ہو رہی تھیں۔ اس کے لیے پھر 8 مارچ 2000ء کو ہمارا پہلا اجلاس ہوا جس میں اس بات کا جائزہ لیا گیا کہ کون سے ایسے (Forums) فورمز ہیں جن کے ذریعے سے اقوام متحدہ کے اجلاس میں شرکت ممکن بنائی جا سکے۔ کافی سوچ بچار کے بعد آخر یہ فیصلہ ہوا کہ ہمارا ایک وفد سینٹر ریٹائرڈ کیپٹن ڈاکٹر کوثر فردوس کی قیادت میں اس اجلاس میں شرکت کرے گا۔ وفد میں عافیہ سرور، شاہینہ وقار، شمیم شال، خالد رحمٰن اور ڈاکٹر سمیحہ راحیل قاضی شامل ہیں تاکہ آئندہ کا لائحہ عمل بنانے اور اس پر عمل درآمد میں آسانی پیدا ہو سکے۔ اس سلسلے میں ہر پندرہ دن بعد لاہور اور اسلام آباد میں 6 اجلاس ہوئے۔ ان کارروائیوں کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

۱۔ اس سیشن میں 6 رکنی وفد شرکت کرے گا۔

۲۔ فکری تیاری کے سلسلے میں 6 کتابچے، ایک فائل کور اور ایک تعارف شائع کیا گیا۔

۳۔ وفد کے تعارفی کارڈز بنوائے گئے۔

۴۔ شناختی کارڈز، پاسپورٹ اور امریکن ویزے کے حصول کے مشکل مرحلوں سے گزرا گیا۔

۵۔ ہم خیال مسلمان سفارت خانوں اور اسلامی تحاریک سے رابطہ کیا گیا۔

۶۔ ICNA سے خصوصی رابطہ کیا گیا تو انھوں نے وہاں پر قیام وطعام کا بندوبست کیا۔
۷۔ اردو لٹریچر اور بینرز اور چارٹس بھی تیار کرائے گئے۔
۸۔ وفد کے ارکان کے مابین روزانہ فون اور فیکس پر مسلسل رابطہ رہا اور تیاری مکمل کر لی گئی اور 28 مئی 2000ء کو وفد اسلام آباد سے نیویارک روانہ ہوا۔
۹۔ 29 مئی 2000ء کو نیویارک پہنچے اور ICNA کی طرف سے دیے گئے ایک استقبالیے میں شرکت کی۔ اگلے دن واشنگٹن پہنچے۔ ان تنظیمی پروگراموں میں دو بڑی مفید ملاقاتیں ہوئیں۔ پہلی ملاقات ایک امریکن مسلم خاتون سے ہوئی جو آزادی نسواں کی تحریکوں کے کام اور اس کانفرنس کے لیے اقوام متحدہ کے پروگرام کے بارے میں پوری معلومات رکھتی تھی۔ یہ ملاقات بڑی ایمان افروز اور معلومات سے بھرپور رہی۔ اس خاتون نے اس اجلاس کا Outcoming Document جو 74 صفحات پر مشتمل تھا، ہمیں پیش کیا۔ بعدازاں اس کی فلاپی ڈسک (Flopy Disk) بھی فوراً تیار کروادی۔ اس خاتون نے ہمیں اللہ پر بھروسہ کرنے کی ہدایت کی اور حق کے فتح یاب ہونے کی دعاؤں کے ساتھ ہمیں رخصت کیا۔ دوسری ملاقات ICNA کے تین ایسے افراد سے ہوئی جو بہت سے دعوتی پروگراموں اور دیگر اجلاسوں میں ہمارے ساتھ شریک رہے۔

وفد کی سرگرمیاں مندرجہ ذیل رہیں:

- ۲۰۰۰ یکم جون: سارے وفد نے اس ڈاکومنٹ (Document) کو جو اس امریکن مسلم خاتون نے ہمیں فراہم کیا تھا، پوری توجہ سے پڑھا اور اقوام متحدہ کے اس پروگرام سے آگاہی حاصل کی۔
- 2: جون کو اقوام متحدہ کے دفاتر میں مختلف فورمز میں شرکت کی۔
- 4: جون کو نیویارک یونیورسٹی میں ایک سیمینار میں شرکت اور شام کو ICNA کے نیویارک حلقے Bronx میں ایک دعوتی اجتماع میں شرکت کی۔
- 5: جون کو وفاقی وزیر زبیدہ جلال نے پاکستانی مشن میں پاکستانی این جی اوز کے لیے ایک Briefing Session رکھا اس میں شرکت کی اور پاکستانی سفارت کاروں کی تیاری دیکھ کر دل خوش ہوا۔
- 6: جون کو ایک گروپ کولمبیا یونیورسٹی میں شرکت کے لیے روانہ ہوا اور دوسرا گروپ اقوام متحدہ کے دفاتر میں معلومات حاصل کرنے کے لیے روانہ ہوا۔

7: جون کو اقوام متحدہ کے دفاتر کے سامنے Church Centre میں ان عنوانات کے تحت فورمز میں شرکت کی۔

1- Muslim Women in Cyber Spaces.
2- Religious Tolerence Journey.
3- The Torch for the Women Rights in Africa , Japan, Bangladesh, Arab Countries.
4- Religious Freedom for the women.

- 8: جون کو کچھ فورمز میں شرکت کی اور شام کو پاکستانی مشن کے استقبالیے میں بھی شرکت کی اور ساتھ ہی حکومتی وفد کے ارکان سے تفصیلی گفتگو ہوئی۔
- 9: جون آخری دن تھا اور اس دن اقوام متحدہ کی اندر کی کارروائی دیکھنے کا موقع ملا اور Procedure کو سمجھنے کا موقع ملا اور اس بات پر افسوس ہوا کہ مسلمان ملت بطور مجموعی انتشار کا شکار ہے اور اسلامی تحریکیں اور ان کے وابستگان کو ابھی اس پروگرام کا پوری طرح احساس نہیں ہے کہ اس کے لیے کچھ تیاری کی جائے۔
- 10: جون سے 18: جون تک ICNA کی مختلف دعوتی کانفرنسوں میں وفد نے شرکت کی اور خطاب بھی ہوئے۔
- 18: جون کو وفد کے کچھ ارکان پاکستان واپس آئے اور یہاں مختلف پروگراموں سے بھی خطاب کیا اور پریس بریفنگز (Briefings) بھی دی گئی۔
- وفد کے دو ارکان امریکہ میں ہی ملاقاتوں اور پروگراموں میں مصروف رہے۔
- اس کے بعد ICNA کی سالانہ کانفرنس میں شرکت کی گئی۔ پھر 10 سے 12 جولائی تک امریکہ کی ایک ریاست (UTAH) میں عیسائیوں کے ایک فرقے (Mormans) کی طرف سے بلائے گئے ایک تین روزہ انٹرنیشنل فیملی پالیسی فورم میں شرکت کی۔ یہ فورم اقوام متحدہ کے پروگرام اور خاص طور پر خاندان کی تباہی کے خلاف یک آواز ہونے کے لیے مسلمانوں، عیسائیوں اور Pro-family لوگوں کا ایک عظیم الشان اجتماع تھا۔ یہاں پر یہ اطمینان ہوا کہ کچھ لوگ ابھی ہیں جو اس فتنے کو فتنہ سمجھتے ہوئے اس کے خلاف کچھ کر گزرنے پر آمادہ ہیں اور اپنی خدمات پیش کیے ہوئے ہیں۔
- یہاں تین دن ہم امریکہ کی ممتاز یونیورسٹیوں کے پروفیسروں کے امریکی معاشرہ اور اس کی بے راہ روی کے اسباب ونتائج پر لیکچرز سے مستفید ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی آئندہ کے لیے رابطوں کو بہتر بنانے اور ایک اچھا نیٹ ورک قائم کرنے پر بھی گفتگو ہوئی۔ اس دوران OIC کے مستقل مندوب کا کردار بہت شاندار رہا۔ ایک ایک وقت میں تقریباً 40، 40 فورمز نیویارک کی مختلف جگہوں پر منعقد ہو رہے تھے، جن میں اپنی کوشش کے باوجود سب کا احاطہ کرنا ناممکن تھا۔ پھر بھی وفد کے ارکان نے سارا سارا دن بھاگ دوڑ کر کے اہم NGOs Events میں شرکت کی اور لٹریچر تقسیم بھی کیا اور وصول بھی کیا۔
- پاکستان واپسی سے قبل ICNA کے زیر اہتمام چار پروگراموں میں تفصیلی گفتگو کے ذریعے اقوام متحدہ کے زیر اہتمام B+5 کے پروگراموں پر بحث کی گئی۔

☆.....☆.....☆

CSW58 (2014)

The fifty-eighth session of the Commission on the Status of Women took place at the United Nations Headquarters in New York from 10to 21March 2014.

Representatives of Member States, UN entities, and ECOSOC-accredited non-governmental organizations(NGOs) from all regions of the world attended the session.

Themes

Priority theme:

Challenges and achievements in the implementation of the Millennium Development Goals for women and girls

The Agreed Conclusions are available here :

Arabic–Chinese–English–French–Russian–Spanish

Review theme:

Access and participation of women and girls to education, training, science and technology, including for the promotion of women's equal access to full employment and decent work (agreed conclusions from the fifty-fifth session)

☆.....☆.....☆

خواتین عالمی کانفرنس: چند مشاہدات

سینیٹر(ر) کیپٹن ڈاکٹر کوثر فردوس

اقوامِ متحدہ کی اکنامک اینڈ سوشل کونسل کے تحت عورتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے عالمی سطح پر اُمور سرانجام پائے جاتے ہیں۔1975 میں عورتوں کی پہلی عالمی کانفرنس ہوئی۔1979 میں عورتوں کے خلاف ہر طرح کے امتیاز کے خاتمے کا معاہدہ ''سیڈا'' 'CEDAW' ہوا۔اس پر 129 سے زائد ممالک نے دستخط کئے۔ان میں پاکستان بھی شامل ہے مگر یہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کی روشنی میں کام کرنے سے مشروط ہے۔

اس معاہدے کی روشنی میں بیجنگ میں ہونے والی کانفرنس میں بیجنگ پلیٹ فارم فار ایکشن طے ہوا، جس کے 13 نکات تھے۔بعد ازاں آٹھ اہداف کو ''ملینیم ڈیویلپمنٹ گولز MDGs'' کے طور پر طے کرلیا گیا، تاکہ خواتین کی ترقی کی رفتار تیز تر اور جائزہ آسان تر ہوجائے۔اہداف یہ ہیں:-

1- غربت کا خاتمہ
2- عالمی سطح پر لڑکیوں کی ابتدائی درجہ کی تعلیم میں داخلہ یقینی بنانا
3- عورت کی برابری کے تصور کو آگے بڑھانا اور عورت کی ترقی کے لئے کام کرنا
4- بچوں کی شرح اموات میں کمی
5- ماؤں کی شرح اموات میں کمی
6- ایچ آئی وی ایڈز، ملیریا اور دیگر بیماریوں سے حفاظت
7- ماحولیاتی استحکام کو یقینی بنانا
8- ترقی کے لئے عالمی برادری میں شراکت (Global Partnership)۔

ان میں سے نکات 2، 3، 4، 5 اور ۶ عورتوں سے براہِ راست متعلّق ہیں۔اہم ترین نکتہ تیسرا ہے، یعنی عورت کی برابری اور ترقی کے لئے کام کرنا۔آغاز میں جب برابری کا جھنڈا اٹھایا گیا تو نعرہ اپنے اپنے دائرہ کار میں ترقی کا تھا۔اب یہ ہر طرح کی برابری کا ہے۔

''کمیشن آن سٹیٹس آف ویمن'' (CSW) عورت کی برابری اور ترقی کے لئے منصوبے بناتا اور ان کا جائزہ لیتا ہے۔اس کمیشن کا 57 واں اجلاس 10 مارچ تا 21 مارچ 2014ء، اقوامِ متحدہ کی کانفرنس بلڈنگ اور نارتھ لان بلڈنگ میں منعقد ہوا۔اس میں حکومتی مشن برائے اقوامِ متحدہ اور اقوامِ متحدہ کی سوشل

اینڈ اکنامک کونسل میں رجسٹرڈ این جی اوز یعنی ''ایکوساک سٹیٹس'' کی حامل ہیں نے شرکت کی۔ انٹرنیشنل مسلم ویمن یونین بھی اکنامک اینڈ سوشل کونسل میں صلاح کار تنظیم کا سٹیٹس رکھتی ہے۔ راقمہ اس کی صدر اور ڈاکٹر سمیحہ راحیل قاضی اسسٹنٹ سیکریٹری جنرل کی حیثیت سے اجلاس میں شریک ہوئیں۔ یہ اجلاس بنیادی طور پر مشاورتی فورم تھا جس میں گزشتہ سال کی کارکردگی کا جائزہ لیا گیا۔ اس میں حکومتی مشن کے نمایندوں اور این جی اوز نے اپنے اپنے ملک میں اہداف کے حصول کے بارے میں کارکردگی رپورٹ پیش کی اور اپنے نقطہ نظر کا اظہار کیا۔ یہ اجلاس 2015 کے بعد کے ایجنڈے کی تشکیل کے لئے تھا کہ اہداف کے حصول میں رکاوٹوں کو دور کیا جا سکے۔ اجلاس میں 860 سول سوسائٹیز سے تعلق رکھنے والے 200 سے زائد نمائندگان نے شرکت کی۔ 135 پروگرام اقوامِ متحدہ کی ایجنسیز، جب کہ 300 متوازی پروگرام این جی اوز نے منعقد کئے۔

اجلاس میں شریک حکومتی نمائندگان نے ان نکات پر رپورٹس پیش کیں:

» تعلیم کے ذیل میں پرائمری میں لڑکیوں کا داخلہ اور تعلیم کا سلسلہ منقطع نہ ہو' جاری رہے' اس میں کتنا اضافہ ہوا اور آئندہ کے کیا امکانات ہیں؟ ان میں بیش تر ممالک کی کارکردگی خاصی بہتر ہوئی۔

» 'صحت' کے عنوان کے تحت زچہ و بچہ کی صحت کے معاملات کا جائزہ پیش ہوا تو معلوم ہوا کہ مثبت طور پر صورتِ حال میں کچھ پیش رفت ہوئی۔ اسی طرح ماں کی صحت، دیہی علاقوں میں ہیلتھ ورکرز کی تربیت میں اضافہ، مانع حمل ادویات کی فراہمی اور محفوظ اسقاطِ حمل کی کیفیت بیان ہوئی۔

» فیصلہ سازی کے مقام تک رسائی میں عورتوں کی سیاسی نمائندگی کی شرح میں اضافے کے لئے اقدامات اور اہم مناصب پر موجود خواتین کے بارے حکومتی نمایندوں نے اپنی کارکردگی پیش کی۔ عورتوں کے داخلے کی تفصیل سامنے آئی۔ اسی طرح طب اور تعلیم کے علاوہ انجینیرنگ، آئی ٹی، اور فضائیہ میں عورتوں کی نمائندگی کا جائزہ لیا گیا۔

کمیشن آن اسٹیٹس آف ویمن CSW کا 58واں سیشن صبح 10 بجے شروع ہو کر شام چھے بجے تک جاری رہتا۔ درمیان میں ایک تا تین بجے کا وقفہ ہوتا۔ ہفتہ وار چھٹی ہوتی تھی۔ متوازی پروگرام عموماً دو گھنٹے کے دورانیے کے ہوتے اور صبح 10 بجے سے شروع ہو کر رات 8 بجے تک جاری رہتے۔ ایک وقت میں پانچ پانچ مختلف اجلاس ہوتے۔

عورت پر تشدد کے ذیل میں اندرون اور بیرون ممالک میں عورتوں کی خرید و فروخت پر کئی سیشن ہوئے، دستاویزی فلمیں دکھائی گئیں اور لٹریچر تقسیم کیا گیا۔ نوجوان لڑکیوں اور چھوٹی بچیوں کو غریب اور غیر ترقی یافتہ علاقوں سے لا کر گھروں میں سخت مشقت کروانے، ہراساں کرنے، مار پیٹ اور منفی طور پر پریشان کرنے کا عمل، کئی حکومتوں اور بااثر افراد کا ان کو سستے مزدور کے طور پر استعمال کرنا، جنگوں میں فاتح فوج کا مفتوح علاقے کی عورت کو ہوس کا نشانہ بنانے جیسے موضوعات زیرِ بحث آئے اور ان پر رپورٹس پیش کی گئیں۔

اسقاطِ حمل کی حوصلہ افزائی اور ہم جنسیت کی تائید میں نہ صرف لٹریچر تقسیم ہوا، بلکہ مباحث بھی ہوئے جن میں ایک موضوع تھا: "عورتوں کو بچوں کی تعداد

کے لئے فیصلے کی آزادی ہونا ضروری ہے"۔اس کے ساتھ ساتھ فیملی فورم نے خاندان کی ٹوٹ پھوٹ کی طرف توجّہ دلائی اور مضبوطی کے لئے اقدامات تجویز کئے گئے۔عورتوں کے حقوق،شریعہ اور کلچر پر بھی ایک فورم ہوا۔ایک فورم پر یہ تقریر کی گئی کہ اگر بیوی پر ازدواجی حقوق کی ادائیگی کے لیے زبردستی کی جاتی ہے تو وہ قانونی چارہ جوئی کر سکے گی۔سوالات کے وقفے میں راقمہ نے سوال کیا کہ بیوی اس فعل پر شوہر کو جیل بھجوادے گی۔شوہر جب جیل سے رہا ہو کر آئے گا تو بیوی کے ساتھ سلوک کیا ہوگا؟ جس کے جواب میں مقرر خاتون نے سٹپٹا کر جواب دیا: یہ سوچنا ہمارا کام نہیں ہے۔عورت کے حقوق کے نفاذ نے معاشرے پر مجموعی طور پر کیا اثرات مرتب کئے ہیں، محققین کو اس پر بھی اعداد وشمار کر کے حقیقت آشکارا کرنا ہوگی۔

عالمی ادارے عورت کی برابری اور ترقی کے لئے، اپنی ترجیحات کے مطابق، گو سست رفتاری مگر مستقل مزاجی کے ساتھ اہداف کے حصول کے لئے کوشاں ہیں۔اسلامک سرکل آف نارتھ امریکا (ICNA) کی بہنوں کے ساتھ ان پروگراموں میں شرکت کی اہمیّت پر بات چیت ہوتی رہی ہے۔اس اجلاس میں بھی چند بہنوں نے شرکت کی۔وہ پُرعزم تھیں کہ منصوبہ بندی کہ ساتھ آئندہ اس نوعیت کہ اجلاسوں میں اپنا نقطہ نظر پہنچائیں گی۔

ایک خاتون پادری کے ساتھ تبادلہ خیال میں انھوں نے کہا چرچ میں لوگوں کا رجوع کم ہوتا جا رہا ہے۔لوگ اللہ کے ساتھ تعلّق کو کافی سمجھتے ہیں۔انھوں نے ہم جنس زدہ جوڑوں کی حمایت کی جس پر حیرت ہوئی۔تیونس کی ایک اسکارف پہننے والی خاتون نے بتایا کہ اس کے ملک کی مسلمان نمایندگان نے چرچ میں ایک پروگرام کیا ہے، جس میں انھوں نے اسلام کے قانون وراثت میں مرد اور عورت کے غیر مساوی حصّے کو ہدف بنایا ہے۔یہ بات بھی باعثِ تشویش تھی۔دوسرے طرف خوش آیند پہلو یہ ہے کہ مسلمانوں میں مساجد، سکول اور کمیونٹی سنٹر بنانے کا رجحان بڑھ رہا ہے، جہاں محلے کے مسلمان باقاعدگی سے اکٹھے ہوتے ہیں۔

اسی طرح امریکی معاشرے میں بچوں کی والدین سے لاتعلّقی وآزادی کی کئی پریشان کن داستانیں سنیں۔بچے اپنے کمروں میں کسی قسم کی مداخلت پسند نہیں کرتے۔ایک دین دار گھرانے کی بچی نے والدہ کی معمولی ڈانٹ پر گھر چھوڑ دیا اور بعد میں پتا چلا کہ اس نے اپنی کسی سہیلی کے ساتھ رہائش اختیار کر لی ہے۔شادی کے لئے رشتہ نہ ملنا اور شادی کے بعد طلاق بہت سے گھروں کی کہانی ہے۔امریکی انتخابات کے موقع پر ہم جنسیت کی آزادی ملنی چاہیے یا نہیں کے 58 فیصد اثبات میں جوابات کے بعد، ہم جنس پسند دندناتے پھرتے ہیں۔کوئی اشارتاً بھی کچھ کہہ دے تو معافی مانگے بغیر جان نہیں چھوٹتی۔عدالتیں بھی ان کا حقِ آزادی تسلیم کرتی ہیں۔یہ مغرب کے معاشرتی انتشار وانحطاط کا کھلا ثبوت ہے۔گھروں میں نبھاؤ کم ہوا ہے۔خاندانی ٹوٹ پھوٹ کے اس سمندر میں اِکا دکا جزیرے بھی ہیں جہاں خاندان کے افراد ماہانہ جمع ہوتے ہیں اور اپنے مسائل کے حل کے لئے باہمی تبادلہ خیال کرتے ہیں۔قرآن وحدیث کا درس بھی ہوتا ہے۔بچوں کی دوستی اور دل چسپی کا دائرہ خاندان ہے جہاں وہ اپنی صلاحیتیں نکھارتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

CSW59/Beijing+20(2015)

The fifty-ninth session of the Commission on the Status of Women took place at United Nations Headquarters in New York from 9 to 20 March 2015. Representatives of Member States, UN entities, and ECOCOS-accredited non-governmental organizations (NGOs) from all regions of the world attented the session.

Themes:

The main focus of the session was on the Beijing Declaration and Platform for Action, including current challenges that affect its implementation and the achievement of gender equality and the empowerment of women. The Commission undertook a review of progress made in the implementation of the Beijing Declaration and Platform for Action, 20 years after its adoption at the Fourth World Conference on Women in 1995.The review (Beijing+20) also included the outcomes of 23rd special session of the General Assembly, the first five-year assessment conducted after the adoption of the Platform for Action, which highlighted further actions and initiatives.

The session also addressed opportunities for achieving gender equality and the empowerment of women in the post-2015 development agenda.

☆.....☆.....☆

مگر یہ مسئلہِ زن!
نیو یارک میں چندروز

صائمہ اسماء

نیو یارک کو دیکھ کر پہلا احساس یہ ہوا کہ ہمارے ہاں اس شہر کے جو سفرنامے لکھے جاتے ہیں وہ بین السطور دراصل ''چند تصویرِ بتاں چند حسینوں کے خطوط'' کی کرشمہ سازی ہوتی ہے۔ ورنہ خود شہر کے تو بس دو ہی تین نمایاں خدوخال ہیں۔ لیگو کے بلاکس کی طرح ساتھ ساتھ جڑی جدید وقدیم فلک بوس عمارتیں، ان کے بیچ ایک دوسرے کو مقررحساب سے کاٹتی گلیاں، اور تقریباً ہر رنگ ونسل اور ملک وقوم کا باشندہ!

میں اوائل مارچ کے اتوار کی سہ پہر یہاں پہنچی تھی۔ یاسمین کا خیال تھا کہ نیو یارک کو پہلی بار رات کے وقت دیکھنا چاہیئے، دن اور رات کے نیو یارک میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اور ہمارا حال وہ کہ ؎

جگنو کو دن کے وقت پرکھنے کی ضد کریں!

سڑکیں خالی خالی تھیں۔ سورج کہیں اوپر ہی اوپر چمک رہا تھا، گلیوں میں تو دوپہر سے ہی شام اتری ہوئی تھی۔ کہیں کہیں کوئی روشنی کی چمکتی ہوئی لکیر جھلک دکھلا جاتی۔ کناروں پر اکٹھی کی ہوئی برف سے مسلسل پانی بہہ کر کیچڑ کر رہا تھا۔ کہیں کہیں سڑکیں ہم غریب ملکوں کی سڑکوں کی طرح ٹوٹی ہوئی بھی تھیں۔ سڑکوں کے کنارے کوڑے کے بندھے ہوئے پیکٹوں کے ڈھیر تھے۔ سب عمارتیں مٹیالی اینٹوں اور سیمنٹ سے بنی ہوئیں، سوگرے رنگ کے علاوہ کوئی رنگ دور دور تک نظر نہیں آتا تھا۔ اس پر مستزاد موسم آج کل ایسا کہ نہ پت جھڑ نہ بہار، نہ برسات۔ مجال ہے جو کوئی سبز پتہ بلکہ پتہ ہی کہیں نظر آجائے۔ پورے شہر اور اس کے راستے میں کوئی ایسا درخت وافر لگا ہوا ہے جس کی شاخیں اس موسم میں بالکل برہنہ ہو جاتی ہیں۔ سنٹرل پارک کو دیکھنے لوگ دور دور سے آتے ہیں۔ اس کے باہر سے گزرے تو اندر خشکی اور ویرانی چھائی ہوئی لگی جیسے کوئی قبرستان ہو۔ بلکہ ہمارے ہاں تو قبرستان بھی سرسبز اور سایہ دار ہوتے ہیں۔

پھر چند روز بعد اس شہر کے مزید جو ہر آپ پر کھلتے ہیں۔ سڑکوں پر گھومیں، سب وے میں سفر کریں، ہر جگہ شہر کا نظام دیکھ کر لگتا ہے کہ اس شہر کی باگ ڈور کچھ پڑھے لکھے لوگوں کے ہاتھ میں ہے جنہیں مسائل کو حل کرنا آتا ہے اور وہ اپنے عوام کی بھلائی کے لیے فکرمند بھی ہیں۔ یعنی جن کے پاس صلاحیت بھی ہے اور اخلاص بھی۔ جیسا کہ قرآن میں حضرت موسیٰؑ کے قصے میں قویّ الامین کا معیار دیا گیا ہے یا سورہ یوسف میں حفیظٌ علیم کے الفاظ آئے ہیں۔ باقی رہے وسائل تو وہ ان دونوں خصوصیات کے نتیجے میں خود بخود آجاتے ہیں۔ پھر قدم قدم پر یہاں آکر یہ اعتماد پیدا ہوتا ہے کہ میں محض انسان ہونے کی بنا پر قابلِ قدر ہوں، کوئی اور

حوالہ اضافی ہے۔انسانی شرف کی قدر کو اپنے نظام کی رگ و پے میں اتار دینا یقیناً اہلِ مغرب کا بڑا کارنامہ ہے۔

سرخ بتی کے ساتھ ہی پہیوں والی ٹریفک رک جاتی اور پاؤں والی ٹریفک چل پڑتی۔مصروف شاہراہوں اور سیاحتی مقامات پر تو یہ پیدل ٹریفک اتنی حاوی ہے کہ گاڑیوں والے دوسرے درجے کے شہری نظر آتے ہیں۔ایک تو ہر بلاک کے بعد سرخ بتی، اوپر سے حد رفتار اتنی کم کہ گاڑی میں بیٹھ کر ہم پاکستانیوں کو تو وحشت ہونے لگے۔وقت کے پابند یہ لوگ ہوں گے، ہم تو حدودِ وقت سے آگے نکلنے والے لوگ ہیں! سڑکیں زیادہ چوڑی نہیں ہیں مگر چونکہ تجاوزات کا کوئی سوال نہیں اس لیے دونوں طرح کی ٹریفک بڑی سہولت سے رواں دواں رہتی ہے۔

صاحب کی نصیحتیں تو بس دو ہی تھیں کہ کنگھال نہ ہونا اور گھر کا رستہ نہ بھولنا یہ اور بات کہ شام کو ٹھکانے پر پہنچ کر فون کرنے میں چند منٹ کی تاخیر ہو جاتی تو گویا بھونچال سا آ جاتا۔بے خودی و ہشیاری کا یہ امتزاج اور تغافل میں جرأت آزمائی کی یہ ادا۔۔۔کیا کہنے! مغرب کی عورت تعلق کی ان ڈوروں سے آزاد ہے یا محروم۔۔۔یا کتنی آزاد ہے اور کتنی محروم۔۔۔یہ فیصلہ کون کرے گا؟ اور یہ فیصلہ کیے بغیر اس کے نقشِ قدم پر چلنا ہمیں کس قدر راس آئے گا؟ میں یہی جاننے کے لیے یہاں آئی تھی۔

بیجنگ پلس ٹونٹی:

میں یہاں یو این کی ایک کانفرنس میں شرکت کے لیے پہنچی تھی۔کمیشن آن سٹیٹس آف ویمن (CSW) اقوام متحدہ کی اکنامک اینڈ سوشل کونسل (ECOSOC) کا ایک فعال کمیشن ہے جو ۱۹۴۶ سے قائم ہے۔اسی کمیشن کے تحت یہ کانفرنس ہو رہی تھی، جو گزشتہ بیس برس سے ہر پانچ سال بعد باقاعدگی سے منعقد ہوتی ہے۔اس میں ۱۹۹۵ میں طے پانے والے بیجنگ اعلامیہ اور لائحہ عمل پر عملدرآمد کی پیشرفت کا جائزہ لیا جاتا ہے۔یو این کا ایجنڈا برائے نسواں بہت طول طویل ہے، مگر مذکورہ پروگرام میں اسے بارہ نکات میں سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ پیش رفت دیکھنا ممکن ہو سکے۔

ماحول بدل گیا ہے، تربیت کے انداز بدل گئے ہیں مگر آج بھی ہمارے ہاں جب بیٹی پیدا ہوتی ہے تو سب اس کو اچھی قسمت کی دعا دیتے ہیں۔ایک وقت تھا کہ بزرگ جب یہ دعا دیتے تھے تو ہمارے برصغیر کی ساری روایت اور ہمارے ہاں ''سٹیٹس آف ویمن'' سے متعلق تمام طرزِ فکر و عمل، سارا مائنڈ سیٹ اس دعا میں سمٹ آتا تھا۔اب جدید تعلیم اور بیرونی اثرات کی بنا پر بچیوں اور لڑکیوں کے لیے بہت کچھ بدل گیا ہے۔مائیں خوش ہیں کہ جس روایتی سیٹ اپ میں ہم نے زندگی بتا دی اب ہماری بچیاں اس سے آزاد ہیں۔اب انہیں قسمت کی دعا دینے کی ضرورت نہیں کہ وہ اپنی قسمت خود بنا سکتی ہیں۔مگر یہاں آ کر احساس ہوا کہ اس دعا کی آج بھی اتنی ہی ضرورت ہے، صرف اس کا محل بدل گیا ہے، کیونکہ اب ہماری بچیوں سمیت دنیا بھر کی بچیوں کی قسمت ان فورمز پر لکھی جا رہی ہے۔اور ہم جیسے ممالک یہاں اتنے ہی بے بس ہیں جتنے ہمارے ہاں کے شرفا بیٹیوں کے سسرال کے بارے میں ہوا کرتے ہیں!!

اعزاز بھائی اور یاسمین مڈل ٹاؤن سے آ کر مجھے ندا کے اپارٹمنٹ میں سیٹل کر گئے۔ندا کولمبیا یونیورسٹی میں فل برائٹر ہے اور اس کا اپارٹمنٹ یونیورسٹی کا حصہ ہے جس میں اس کے سمیت سات طالبات رہتی ہیں۔مشترک کچن اور باتھ روم کے ساتھ سب بنیادی سہولیات سے مزین یہ صاف ستھری اور محفوظ جگہ مجھے

بہت راس آئی اور ندا کے لیے دل سے دعائیں نکلیں۔ ٹرین لینے کے لیے مجھے یہاں سے کوئی پون کلومیٹر چلنا پڑتا تھا مگر کئی وجوہات کی بنا پر یہ بس اور ٹیکسی لینے کی نسبت کہیں بہتر تھا۔ ندا نے میرے لیے جیکسن ہائٹس سے شاپنگ کر رکھی تھی، اپنا بستر میرے حوالے کر کے خود وہ اچھی بچی میٹریس نشین ہوگئی۔ بجلی گیس کے بغیر ٹھنڈے یخ گھروں میں رہنے والوں سے ہیٹنگ سسٹم کہاں برداشت ہوتا! دم گھٹنے لگا تو میں نے کمرے کا سسٹم بند کر کے کھڑکی کی درز ذرا سی کھول دی اور ندا سے کہا کہ سویٹر پہن لو، خدانخواستہ ٹھنڈ لگ گئی تو تمہاری اماں کیا کہیں گی!!

یو این ہیڈ کوارٹرز فرسٹ ایونیو:

کانفرنس یو این کے مرکزی دفتر میں تھی۔ یہ اقوام متحدہ کی سب سے بڑی اور مرکزی عمارت ہے جس میں اس عالمی تنظیم کا صدر دفتر قائم ہے، اس کے بعد جنیوا میں قائم دفتر کا نمبر آتا ہے۔ یہ عمارت نیویارک کے پہلے سرے شاہراہِ اول یعنی فرسٹ ایونیو پر بالکل دریائے مشرق کے کنارے واقع ہے۔ ۱۹۵۲ میں مکمل ہونے والی یہ انتالیس منزلہ خوبصورت اور انتہائی وسیع وعریض عمارت گلی نمبر بیالیس سے لے کر اڑتالیس تک پھیلی ہوئی ہے اور چوڑائی میں فرسٹ ایونیو سے لے کر دریا کے کنارے تک یوں پہنچتی ہے کہ اندرا یگزیکٹو لاؤنج میں بیٹھ کر دریا اپنے قدموں میں ٹھاٹھیں مارتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ جنرل اسمبلی بلڈنگ، سیکریٹیریٹ اور ڈاگ ہامر شولڈ لائبریری پر مشتمل یہ احاطہ پورا دیکھنے کے لیے کئی دن چاہئیں۔

پروگرام تین طرح کے تھے۔ کانفرنس میٹنگ سیشن جن میں ملکوں کے سرکاری مندوب شرکت کرتے، این جی اوز اور سول سوسائٹی ممبران کو لابیز میں بیٹھ کر کارروائی دیکھنے اور سننے کا موقع ملتا بلکہ بعض اوقات ان کو تجاویز اور تبصروں کی بھی دعوت دی جاتی۔ سائڈ ایونٹ جن میں مختلف ممالک اور بین الاقوامی این جی اوز نے جو ECOSOC مشاورتی سٹیٹس رکھتی ہیں، مختلف موضوعات پر ڈسکشن فورم کا اہتمام کیا ہوتا۔ یہ دونوعیت کے سیشن یو این بلڈنگ میں ہوتے، جبکہ تیسری قسم متوازی ایونٹس کی تھی جن کے لیے یو این کے بالمقابل چرچ سنٹر اور چند اور عمارتیں مخصوص کی گئی تھیں۔ ان کا دائرہ قدرے بڑا اور انداز عوامی تھا، اگرچہ موضوعات کی مطابقت کانفرنس کے ایجنڈے سے برقرار رکھی جاتی۔

پینڈو کہیں کے!

پہلے دن چرچ سنٹر میں ایک ایونٹ بے حد دلچسپ رہا۔ موضوع تھا اشتہارات میں صنفی نمائندگی۔ حاضرین میں مندوبین کے علاوہ مقامی خواتین اور طالبات کی بھی بڑی تعداد شامل تھی۔

آغاز میں چند نمونے کے اشتہارات سکرین پر چلائے گئے۔ اگرچہ عورتوں کے میڈیا میں کمرشل استعمال کے خلاف کوئی نکتہ یو این کے اس پورے پروگرام میں شامل نہیں ہے، مگر اس ایونٹ کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں عورت کو سیکس سمبل بنا کر مصنوعات فروخت کرنے والے اشتہارات کو ''بُرے اشتہارات'' کی مثال کے طور پر دکھایا گیا۔ یہ اور بات کہ مجموعی طور پر میڈیا کے کردار کو سراہنے والا انداز رہا کیونکہ تمام معزز پینلسٹ اپنے اپنے شعبے کے باعث میڈیا پر تنقید نہیں کر سکتے تھے۔ مثلاً ووگ میگزین کی صحافی شکتی، پراکٹر اینڈ گیمبل گورگرل برینڈ کی افزائش حسن کی مصنوعات مشتہر کرنے کی ذمہ دار سیما پٹیل، ایڈورٹائزنگ

ایجنسی BBDO کا CEO جَون اوسبورن، کاسمو پولیٹن میگزین کی ایڈیٹر لیزلی، ایڈورٹائزنگ ایجنسی لیو برنیٹ کی سی ای او جوڈی، مورفیئس میڈیا کی مالک شینن ریڈ، خودمیزبان وارین ہَوگ نیویارک ٹائمز کے سابق ایڈیٹر تھے۔

منتظمین کا تو جو بھی خیال تھا، البتہ حاضرین شاید کسی اور خیال سے یہاں جمع ہوئے تھے۔ بھارت سے آئی ہوئی ایک لکھاری خاتون ڈاکٹر منجو کاک نے بڑی دردمندی سے میڈیا کے اثرات سے نوجوانوں کو محفوظ رکھنے میں بے بسی کا ذکر کیا۔ کہنے لگیں میرے پوتے سٹیفر ڈ میں پڑھتے ہیں اور ان کو دیکھ کر میں آہیں بھرتی ہوں کہ ان کو اس ماحول کی خرابیوں سے کیسے بچاؤں۔ ان کے لہجے کی دلسوزی نے ہال میں موجود سب لوگوں کو بے حد متاثر کیا اور ہال بے اختیار تالیوں سے گونج اٹھا۔ حاضرین کے ریسپانس سے لگتا ہی نہ تھا کہ ہم نیویارک میں ہیں۔ پراعتماد، تجربہ کار پینلسٹ بھی چند لمحوں کے لیے مجبوب سے ہو گئے۔ ہال میں ایک عورت بآوازِ بلند مصنوعی خفگی سے بولی، آپ کو کس عقلمند نے مشورہ دیا تھا کہ اپنے پوتوں کو سٹیفر ڈ بھیجیں۔ اس پر سب ہنس پڑے۔

ایک گوری خاتون کہنے لگی کہ آپ جو سکرین پر عورتوں کو نو، نو انچ کی ہیل پہنے دکھاتے ہیں، کیا یہ نمونہ ہر عورت کے لیے قابلِ عمل ہے؟ حاضرین کی طرف سے اس سوال کو بھی پذیرائی ملی۔ شینن نے جواب دیا، میں تو اتنی ہیل سنبھال سکتی ہوں، جو نہیں سنبھال سکتیں وہ نہ پہنیں۔ اس پر ہمیں اپنے جنرل مشرف صاحب کے ایک وزیر باتدبیر کا بیان یاد آ گیا، جب میڈیا کی بے لگامی کی شکایت پر انہوں نے فرمایا تھا کہ جنہیں ٹی وی پروگرام نامناسب لگتے ہیں وہ ٹی وی نہ دیکھیں۔ نجانے شینن کو امریکی عورتوں اور نوجوان لڑکیوں میں Anorexia اور Bulimia کا انتہائی خوفناک حد تک بڑھتا ہوا رجحان کیوں نظر نہ آیا، جو سکرین پر پیش کی جانے والی ماڈلز کی طرح نظر آنے کے خبط کا نتیجہ ہے۔ نمونے اسی لیے ہوتے ہیں کہ ان کی پیروی کی جائے۔ پروگرام ختم ہونے پر ہم نے وارین صاحب سے کہا کہ آپ کو پینل میں صارفین اور میڈیا Audience کو بھی نمائندگی دینی چاہیئے تھی تا کہ آپ ہی کی زبان میں ۳۶۰ درجے کا جائزہ ممکن ہوتا۔

پرچم ستارہ و ہلال:

دوسرے دن گرینڈ سنٹرل سٹیشن کی عجیب و غریب دنیا سے باہر نمودار ہو کر میں نے معمول کی تقریباً ایک کلومیٹر پیدل واک ختم کی، اور جب فورٹی سیکنڈ سٹریٹ سے فرسٹ ایونیو پر قدم رکھا تو بے حد خوشگوار منظر دیکھا۔ یو این بلڈنگ کے باہر قطار سے لگے آہنی پول جو کل تک خالی تھے، آج ان پر ممبر ملکوں کے رنگ برنگے جھنڈے لہرا رہے تھے اور میرے بالکل سامنے چاند ستارے والا سبز پرچم تھا جس کی شان ہی نرالی تھی۔ یہاں سایہ دار گلیاں ختم ہو کر دریا کا کنارا آ جاتا ہے اور منظر دور تک کھل جاتا ہے۔ نیلے آسمان کے پس منظر پر چمکتی دھوپ اور تیز ہوا میں اڑتا ہوا پرچم ستارہ و ہلال۔ مجھے لگا آج تو میں ہال کے اندر جا ہی نہ پاؤں گی، اسی کو دیکھتی اور تصویریں بناتی رہوں گی!!

اماں اور کمپیوٹر:

دنیا میں انفرمیشن کمیونیکیشن ٹیکنالوجی کی صنفی بنیادوں پر تقسیم کو ختم کرنا بیجنگ لائحہِ عمل کے بارہ نکات میں شامل ہے۔ ترکی کی ایک بین الاقوامی تنظیم نے اپنے سائڈ ایونٹ میں عورتوں کی معاشی خودمختاری کو موضوعِ بحث بنایا تو اس نکتے کا بھی تذکرہ ہوا کہ عورتیں نئی ٹیکنالوجی کے استعمال میں دنیا بھر میں مردوں سے پیچھے

ہیں اور اس کا اثر ان کی معاشی ترقی پر پڑ رہا ہے۔ یو این کی ایک سابق عہدیدار مس وولف نے اس پر کچھ اعداد و شمار بھی پیش کیے۔

بات چیت کا آغاز ہوا تو میں نے عرض کی کہ جناب، ترقی یافتہ، خصوصاً مغربی دنیا میں تو آپ اس تقسیم کو ختم کیجئے، سر آنکھوں پر۔ وہاں اس نوعیت کے امتیاز کا کوئی جواز نہیں۔ عورتیں کیوں پیچھے رہیں جب کہ وہ ہر میدان میں موجود ہیں اور قوانین بھی پوری برابری کی حمایت کرتے ہیں۔ خاندان کا پٹا وہ پہلے ہی گلے سے اتار چکی ہیں۔ رسوم و رواج کے نام پر کوئی چیز ان کی راہ میں حائل نہیں۔ ٹین ایج کی بچی گھر کو خیر باد کہہ کر خود اپنی زندگی بنانے نکل پڑتی ہے۔ وہاں تو اس نوعیت کے صنفی امتیاز کیا، کسی نوعیت کے امتیاز کا تصور بھی شرمناک ہے۔ البتہ جب آپ مشرقی، خصوصاً مسلم معاشروں کی بات کرتے ہیں تو آپ اس مسئلے کو صنف کی عینک لگا کر نہیں دیکھ سکتے۔ مثلاً پاکستان جیسا معاشرہ جہاں اکثریتی گھرانوں میں گھر کے خرچ کا ذمہ دار مرد ہوتا ہے وہاں ٹیکنالوجی کے استعمال کی ترجیح بھی عموماً مرد ہی کی ہوتی ہے۔ یہاں آ کر خالصتاً یہ ضرورت پر مبنی معاملہ بن جاتا ہے اور ضرورت ہی اس کی صورت گری کرتی ہے۔ مثال کے طور پر وہی خانہ دار عورت جس نے شاید موبائل سے بڑھ کر کبھی ٹیکنالوجی کو استعمال نہیں کیا، ادھیڑ عمر میں اس وقت پہلی بار کمپیوٹر کا استعمال سیکھتی ہے جب اسے تعلیم یا روزگار کے لیے پردیس گئے اپنے بچے سے بات کرنی ہوتی ہے۔ اس کی مامتا اسے اس عمر میں بھی نیٹ کی اجنبی دنیا کے رموز سے آشنا کر دیتی ہے۔ لہٰذا اس معاملے کی تشریح حق کی بجائے ضرورت کی بنیاد پر کی جائے تو زیادہ حقیقی صورتحال سامنے آئے گی۔ یہ ضروری ہے کہ ان مسائل پر بے روح اعداد و شمار اکٹھے کر کے بلا امتیاز تجزیے پیش کرنے کی بجائے ہم ان کو اپنے اپنے معاشرتی حقائق کے تناظر میں دیکھیں۔

بات مس وولف کے پلّے پڑی یا نہیں مگر ہال میں موجود دو سو افراد تک ضرور پہنچ گئی۔

سیکنڈ فلور، کھڑکیاں اور نظارے:

ان ترقی یافتہ کافر قوموں کو چونکہ سچ بولنے کی بیماری ہے، اس لیے ان کی بنائی ہوئی مشینیں بھی، لاکھ مومنوں کے ہاتھ لگ جائیں، سچ ہی بولتی ہیں۔ ہم جب بھی اپنی گود کے مکین کو جگاتے ہیں تو وہ آنکھیں ملتے ہوئے حرفوں کی زبانی پہلی بات یہ کرتا ہے کہ آپ کی ونڈوز اصلی نہیں ہے۔ اور ہم جل کر رہ جاتے ہیں کہ

''دل دیا بھیڑ یا کیوں مارنا ایں طعنے وے'' اور ذرا یہ بھی بتاؤ کہ پاکستان میں کس کی ونڈوز اصلی ہے؟ ہماری تو کھڑکیاں بھی مانگے کی اور نظریں بھی مستعار۔ ہم نظارے کیا دیکھیں!! اور کیا ہماری عقل میں فتور ہے کہ جو چیز مفت میں دستیاب ہو، اسے خرید کر استعمال کریں؟ مگر مجال ہے جو وہ اس کے بغیر اگلی بات کرے۔ ہماری گود میں بیٹھ کر بھی اس کا لہجہ آقاؤں جیسا رہتا ہے۔

اب امریکہ کا سفر اختیار کرتے ہوئے اس بات کی پریشانی تھی کہ سنا تھا ایر پورٹ پہ ونڈوز کا اصلی ہونا چیک کرتے ہیں ورنہ لیپ ٹاپ نہیں لے جانے دیتے۔ بہرحال پاکستانیوں کو سب طریقے آتے ہیں۔ وہ ٹیکنالوجی بناتے ہیں اور ہم اس کا توڑ کرتے ہیں۔

دوسرے دن سیشن میں وقفے کے دوران ہم گھومتے گھامتے سیکنڈ فلور پر جا پہنچے۔ یہ ڈیلی گیٹس فلور کہلاتا تھا اور یہاں ملکوں کے سرکاری نمائندے اور حکومتی وفود کے لوگ گھومتے پھرتے اور آنیاں جانیاں دکھاتے تھے۔ کہیں استعمال ہوتے اور کہیں استعمال کرتے۔۔۔ شطرنج کی بساط پر اپنی اپنی چال چلنے کی فکر میں

رہتے۔۔۔یا بس بے فکر رہتے کہ۔۔۔ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا!

لاؤنج میں خوب گہما گہمی تھی۔ بھاپ اڑاتی چائے اور کافی کی پیالیوں پر کرہِ ارض کی تقدیر لکھی جا رہی تھی۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ بنتِ حوا کی تقدیر لکھی جا رہی تھی۔جس طرف دیوار گیر شیشوں میں سے دریائے مشرق کے اس پار روز ویلٹ آئی لینڈ کی افقی لکیر نظر آتی تھی وہیں ایک طرف قطار سے انفرادی کمپیوٹروں کے کیوبکل بنے ہوئے تھے۔ بے اختیار یہاں بیٹھ کر کام کرنے کو جی چاہا۔ایک پی سی کو گدگدایا تو اس کے دیے جل اٹھے اور پہلی سطر ابھری ''آپ کی ونڈوز اصلی نہیں ہے'' اور وہی ایکٹیویشن کا ڈائیلاگ باکس۔۔

ہم نے بمشکل اپنی ہنسی کو قابو کیا مبادا لوگ ہمیں خبطی سمجھیں،خود کو اپنے ہی گھر میں محسوس کیا اور گزشتہ چار روز سے جو احساسِ جرم اٹھائے پھر رہے تھے اسے ترقی یافتہ دنیا کے دل نیویارک اور اس کے دل یو این کے سیکنڈ فلور کے دبیز قالین پر اتار پھینکا۔شک تو پہلے بھی تھا،مگر یہاں آ کر ثابت بھی ہو گیا کہ خود امریکہ کی کھڑکیاں بھی اصلی نہیں ہیں!!

اسی سیکنڈ فلور کی کشادہ لابی میں دونوں اطراف پر ممبر ممالک کے جھنڈے ساتھ ساتھ آویزاں ہیں۔مندوبین اپنے اپنے جھنڈے کے ساتھ کھڑے ہو کر تصویریں بنواتے نظر آئے۔ہم نے بھی یہ شوق پورا کیا۔یہیں پر وہ بڑا کانفرنس ہال ہے جس میں جنرل اسمبلی کے اجلاس ہوتے ہیں اور جو ایک طرح سے اس عالمی تنظیم کا علامتی نشان بن چکا ہے۔افتتاحی تقریب دو روز قبل یہیں منعقد ہوئی تھی۔کوفی عنان اتنا عرصہ سیکرٹری جنرل رہے ہیں کہ اس ہال کو دیکھتے ہی ذہن میں ان کی صورت ابھر آتی ہے۔

میں ریسٹ روم میں تھی جب ایک گوری داخل ہوئی اور میری قمیص کے گریبان پر ہوئی کڑھائی پر فریفتہ ہو گئی۔پاکستان کا نام سن کر کہنے لگی،میں ایک بار بھارت گئی تھی۔عرض کی پاکستان بھی آیئے۔کہنے لگی،کیا پاکستان محفوظ ہے؟ میں اس سوال کا پہلے بھی سامنا کر چکی تھی،کہا،جی ہاں،اتنا ہی محفوظ جتنا یہ آپ کا نیویارک ہے۔وہ ایک لمحے کو چپ ہو گئی،اسے میرے جواب سے شاید اپنے سوال پر شرمندگی ہوئی تھی۔پھر اپنا کارڈ بڑھاتے ہوئے بولی،میں کینیڈا سے ہوں۔میں بھی خفیف ہوئی کہ بلاوجہ اسے امریکی سمجھ لیا۔پھر اس نے چرچ سنٹر میں ہونے والے اپنے ایونٹ میں شرکت کی پُرزور دعوت دی۔میں نے فلائر پر نظر ڈالی۔ٹورانٹو کی ایک آئی این جی او تھی جو خواتین کی تولیدی صحت،چھاتی کے کینسر اور خصوصاً ان دونوں کے اسقاطِ حمل سے تعلق پر آگاہی دے رہی تھی۔ظاہر ہے یہ ''پرو لائف'' گروپ تھا۔میں نے کہا یہ بہت اہم موضوع ہے آپ لوگوں نے کانفرنس کے مین سیشن میں یہ پروگرام کیوں نہیں رکھا،کہنے لگی،بس کیا بتاؤں وہاں کچھ ''خوفناک قسم'' کی عورتیں بہت حاوی ہیں اور ایسے پروگرام نہیں ہونے دیتیں۔

عورت کے حقوق کے یو این کنونشن سیڈا (CEDAW) اور بیجنگ لائحہِ عمل پر مسلمان،ترقی پذیر،ایشیائی اور مشرقی ممالک کو تو بہت زیادہ تحفظات رہے ہیں،اور ان کے علاوہ ویٹی کن اور دیگر مذاہب کی تنظیموں نے بھی اس سے ناخوشی کا اظہار کیا ہے،مگر خود جدید مغربی معاشرے میں بھی اس کی مخالفت کی کمی نہیں۔ابتدائی مرحلوں میں ان خیالات کے حامی تمام گروہ مؤثر لابنگ کر کے کچھ شقوں پر اثر انداز ہونے میں کامیاب رہے تھے۔مگر اب وقت کے ساتھ یہ مغرب کے

ان ''الٹرا لبرل'' گروہوں کی بالادستی میں ہے جن کو خود ان کا اپنا معاشرہ بھی بہت قبولیت نہیں دیتا مگر مخصوص نظریاتی ومعاشی مفادات کا پروگرام رکھنے والے ایسے طبقے ان کی پشت پناہی کررہے ہیں جن کا اثر ونفوذ مغربی ممالک کی حکومتوں میں بھی ہے۔ انہی گروہوں کی وجہ سے ''عورتوں کی تقویت'' کے یہ منصوبے بین السطور ہم جنس پرستی، اسقاطِ حمل، طوائف بازی اور پورنوگرافی قسم کے حقوق کے منصوبوں کا رنگ اختیار کرتے جارہے ہیں۔ پاکستان نے جب اس پر دستخط کیے تھے تو اس وقت وزیراعظم بینظیر بھٹو صاحبہ کی حکومت نے کچھ تحفظات کے ساتھ اس کو تسلیم کیا تھا کہ ہم اپنی حاکمیتِ اعلیٰ اور آئین کے منافی شقوں پر عمل کے پابند نہ ہوں گے۔ پاکستان سمیت بہت سے دیگر ممالک کے ایسے تحفظات الگ دستاویز کی صورت میں اس کنونشن کے ساتھ موجود ہیں۔

اس کے باوجود بیجنگ لائحہ عمل کی بہت سی کامیابیاں بھی ہیں۔ پہلی بات یہ کہ عورت کی بحیثیت انسان برابری کا تصور دنیا بھر میں عام ہوا ہے۔ اگرچہ ہم جیسے ملکوں میں ہنوز دلی دوراست۔ دوسرے عالمی سطح پر عورتوں کے حقوق کے حوالے سے ایک مشترک ایجنڈے کی صورت گری پر پیش رفت ہوئی ہے۔ پھر لوگ اپنے اپنے ممالک میں عورتوں کی حق تلفی پر مبنی رویوں اور قوانین کے بارے میں Sensitize ہوئے ہیں۔ حکومت کی بجائے افراد، اداروں اور تنظیموں کے کردار پر بہت زور ہے۔ خواتین پر ظلم وتشدد کے خلاف آگاہی دینے میں میڈیا کے استعمال کو اہمیت دی گئی ہے۔ اس کے باوجود بہت کچھ ایسا ہے جو اس پروگرام کے حقیقی ثمرات کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

دراصل بنیادی فکری ڈھانچہ مسائل کی ٹریٹ منٹ میں بہت اہم ہے۔ ۱۹۹۵ میں جب یہ لائحہِ عمل پیش ہوا تو ویٹی کن کی طرف سے ہارورڈ کی پروفیسر میری این گلینڈن نے اسے ۱۹۷۰ کے مردہ فیمینزم کو زندہ کرنے کی کوشش قرار دیا، جو اس کے الفاظ میں مردوں، شادی اور مامتا کے بارے میں منفی خیالات، اور اسقاطِ حمل پر انتہائی سخت موقف کی بنا پر رد ہو چکا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ ہم نے ہر چیز جوڑے میں پیدا کی تاکہ نسل چلے (۴۲۔۱۱) مذکر مؤنث دو اصناف بنائیں (۹۲۔۳) لڑکے اور لڑکی میں فرق ہے (۲۔۳۶) مگر اعمال کی جزا میں صنف کا کوئی فرق نہیں (۴۰۔۴۰) سوال یہ ہے کہ ایک طرف عورت پن کی بنیاد پر سارے منظرنامے کی تشکیل وتعبیر ہو رہی ہے، دوسری طرف عورت کی امپاورمنٹ پر بات کرتے کرتے جب آپ نے نسوانیت اور مردانگی کے بنیادی فرق ہی کو یہ کہہ کر زمیں بوس کردیا کہ یہ تو ہمارا خودساختہ ہے (Socially constructed)، تو اب ہم کس بنیاد پر ان دونوں کے متوازن انسانی حقوق متعین کریں؟ خاص کر معاشی مساوات پر مبالغہ آمیز زور کے ساتھ اس کا سیدھا سا نتیجہ تو یہ ہے کہ عورتیں ہر معاملے میں مردوں کی طرح ہو جائیں اور پھر اس کا فائدہ بھی مردوں کو ہی پہنچے گا کہ وہ اپنی ذمہ داروں سے فارغ ہوتے جائیں گے۔ اور اب تو اس معاملے میں مغربی فکر ایک قدم اور آگے بڑھ چکی ہے جہاں ایسے خیالات کو بھی شرفِ مباحثہ دیا گیا ہے جو نہ صرف صنفی، بلکہ جنس کے فرق کو بھی خودساختہ قرار دے دیں (جیسے جوڈتھ بٹلر)، یعنی آپ کو کس جنس میں رہنا ہے اس کا فیصلہ آپ کی 'پرفارمنس' پر ہے، تو ان فکری بنیادوں پر پروان چڑھنے والا لائحہِ عمل کس صنف کو فائدہ دے گا؟

اس اندازِ فکر کی بازگشت بیجنگ پروگرام کے ہر نکتے میں سنائی دیتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک مین میٹنگ سیشن میں جہاں مختلف ممالک کی رپورٹوں پر بیحد سنجیدہ گفتگو ہو رہی تھی، ایک مرد مندوب نے یہ کہہ کر ماحول زعفران زار کردیا کہ عورت کے اس مسئلے کا تو بس ایک ہی حل نظر آتا ہے، کہ عورتیں کم عورتیں (نازن؟) اور

مردکم مرد (نامرد؟) ہوجائیں۔ مگر تفنن برطرف یہ بہت بلیغ فقرہ تھا اور مغربی معاشرے پر گہرا طنز بھی۔ وہاں ایک طرف فیمینزم ہے جس کے نزدیک مرد اور خاندانی زندگی عورت کے تمام مسائل کی جڑ ہیں، تو دوسری طرف ہم جنس پرست ہیں جنہوں نے انسانی معاشرے کی الگ ہی تعبیر وتشریح کر رکھی ہے۔ ان دونوں کا یہاں اس قدر اثر ورسوخ ہے کہ مسودوں میں جا بجا الفاظ کا چناؤ مروجہ تصورات کے مطابق ہونے کی بجائے ان دو طبقات کو تحفظ دینے پر مبنی نظر آتا ہے۔ خاندان کی تشریح میاں بیوی سے نہیں بلکہ مجموعہِ افراد سے کی گئی ہے۔ جوڑے (Couple) کی بجائے ساتھی (Partner) کے الفاظ ہیں اور ماں یا مامتا (Motherhood) کی بجائے Caregiver، گویا بنیادی انسانی حقوق کی تعبیر وتشریح میں اتنا آگے نکل گئے کہ نسلِ انسانی کی بقا کا معاملہ بھی پیچھے چھوڑ دیا۔

اول تو اصناف کو ایک دوسرے کے مدِ مقابل کھڑا کر کے ''عورت پن'' کی بنیاد پر کوئی مستقل فکری ڈھانچہ کھڑا کرنا یا Activism کرنا خود محلِ نظر ہے۔ انسان ہونے کے ناطے ہر ایک معتبر ہے اور اگر کوئی تقسیم ہے تو وہ صحیح اور غلط کی تقسیم ہے۔ مغربی فکر کا منتہا ومقصود بھی ایک ''مشترک درست'' تک پہنچنا ہی ہے۔ لہٰذا اصل اہمیت صنف کی نہیں، درست اندازِ فکر کی ہے اور اس نکتے کو اس لحاظ سے یو این کے مذکورہ پروگرام نے بھی قبول کیا ہے کہ ۱۹۹۵ سے لے کر اب تک عورت کی امپاورمنٹ میں ''مردوں اور لڑکوں کا کردار'' کا موضوع مستقل شامل رکھا گیا ہے۔ اس بار بھی اس عنوان سے کئی فورم مختلف سطحوں پر منعقد ہوتے رہے۔ اجتماعی برائیوں سے لڑنے کے لیے مشترکہ جدوجہد کا راستہ زیادہ ثمر آور ہوسکتا ہے۔ اور ہم مشرقی عورتوں سے بڑھ کر اس بات کو کون سمجھے گا جن کے ہاں خود عورت ہی عورت کو جینے نہیں دیتی۔ عورتوں کے بہت سے مسائل خود بخود حل ہوجائیں اگر وہ اپنی صنف سے دشمنی کا رویہ منصفانہ اور درست رویے سے بدل لیں (مگر پھر سٹار پلس کے ڈرامے کون دیکھے گا؟)۔ یہ نکتہ اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ مشرقی معاشروں میں خاندان مضبوط ہے جس میں مرد کو سربراہ کی حیثیت حاصل ہے، لہٰذا یہاں مرد کے تعاون کے بغیر عورتوں کی بہتری کے منصوبے کامیاب نہیں ہوسکتے۔

دوسری طرف فیمینزم کا فکری ڈھانچہ خود جن تناقضات کا شکار ہے، وہ یو این کے ان ایجنڈوں میں بھی صاف دِکھتے ہیں۔ حقوق کہاں فرائض کا روپ دھار لیتے ہیں، اور الٹا ظلم کا سبب بن جاتے ہیں، کس مقام پر مساوات کو ایک طرف رکھ کر عورت کی بہتری کے لیے عدل کا دامن تھامنا ہے، یعنی Equality اور Equity کی بحث۔ عورتوں کو کیریئر میں اعلیٰ مقام اور فیملی لائف دونوں میں سے لامحالہ ایک کا انتخاب کرنا پڑتا ہے، بے شک وقتی طور پر سہی۔ چند سال پیشتر یو ایس سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ میں ڈائریکٹر پالیسی پلاننگ، ڈاکٹر این میری سلاٹر کو اپنی ''ڈریم جوب'' سے استعفا دینے اور اعترافی بیان پر فیمنسٹ حلقوں سے بہت کچھ سننا پڑا۔ اس کا کہنا تھا کہ میں اپنے ٹین ایج بیٹوں کو وہ پوری توجہ نہیں دے پا رہی جو ان کا حق ہے، اب میں ایک خوش باش عورت ہوں۔ اس کے مضمون کو ایک ملین لوگوں نے پڑھا اور ان میں سے خواتین کی ۹۵ فیصد تعداد نے اس جرات اظہار پر اس کا شکریہ ادا کیا (۲)۔

پھر قحبہ گری کے بارے میں فیمینزم کا الجھا ہوا موقف۔ سیڈا کی دفعہ ۶ فریق ریاستوں کو عورتوں کی خرید وفروخت، قحبہ گری اور استحصال کی حوصلہ شکنی کے لیے ضروری اقدامات اٹھانے کا پابند کرتی ہے۔ یہ ایک اچھی شق ہے اور دنیا بھر میں اس حوالے سے پھیلے ہوئے جرائم کے سدباب میں مفید ہے۔ البتہ قحبہ گری کے پیشے پر پابندی لگانا اس نکتے کا حصہ نہیں ہے کیونکہ یہ ان کے نزدیک بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے۔ یعنی عورت اگر اپنی مرضی سے یہ پیشہ اختیار کرتی ہے تو یہ

بالکل درست لیکن اگر مجبور ہو کر کرے تو ظلم۔ اب مجبوری کی کیا تعریف ہے جبکہ ہمارے ہاں یہ حال ہے کہ اگر کوئی عورت اس زندگی سے تائب ہو کر شرفا میں شامل ہونا چاہے تو ہمارا معاشرہ اس کو قبول ہی نہیں کرتا۔ اس موضوع پر عملی مثالوں کے ساتھ ساتھ پاک و ہند کی بیشمار مقبول فلمیں بن چکی ہیں اور کئی ناول لکھے جا چکے ہیں۔ تو کیا عورت کے لیے اس معاشرتی جبر کا سدباب کرنے کے لیے قانون سازی نہیں ہونی چاہیئے تا کہ اس کو بھی شریفانہ زندگی کا حق ملے؟ اسی طرح ہالی وُڈ کی مووی ''پریٹی وومن'' میں جولیا رابرٹس کے مکالمے فکر انگیز ہیں جب وہ اپنی راتوں کی قیمت ادا کرنے والے کے سوال کا جواب دیتی ہے کہ وہ کس طرح تعلیم ادھوری چھوڑ کر اس پیشے میں آئی اور پھر ''مزدوری'' کی پہلی رات مسلسل روتی رہی۔ سوال یہ ہے کہ جو معاشرتی عوامل ایک بھولی بھالی معصوم، امنگوں سے بھری لڑکی یا عورت کو اس طرف مائل کر دیں، کیا ان عوامل کا سدباب اس نکتے کا لازمی حصہ نہیں ہونا چاہیئے؟ جنہیں مشرقی معاشروں میں عورت پر ہر بات میں معاشرتی جبر دکھائی دیتا ہے خواہ وہ اپنے گھر میں سکون سے بیٹھی ہو، وہ اس جبر کو کیسے نظر انداز کر دیتے ہیں؟ اور اگر حالات سے مجبور ہو کر مزدوری کرنے والے بچوں کے لیے چائلڈ لیبر کی مناہی کا قانون بن سکتا ہے تو کیا ایسی عورتوں کے لیے قانون نہیں بننا چاہیئے؟ کیا طوائف کو سیکس ورکر کہہ دینے سے یہ حق تلفی امپاورمنٹ میں بدل جاتی ہے؟

تیسری طرف ایسے عالمی منصوبوں کا ایک بہت بڑا پہلو مسلمان ممالک کے لیے مغرب اور یو این کے رویے ہیں۔ اس وقت بہت سے مسلمان ممالک اس کنونشن کے دستخطی ہیں۔ عورت کی حیثیت ایسا معاملہ ہے جس میں مشرق اور مغرب کے ماحول کا فرق سب سے زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے۔ بیجنگ کے ابتدائی اجلاسوں میں مسلم ممالک خصوصاً مصر، مراکش اور تیونس نے ویٹی کن اور خاندانی نظام کی حامی مغربی این جی اوز کے ساتھ مل کر اس ایجنڈے پر کئی اعتراضات اٹھائے تھے۔ اس بار بھی اردن کی مندوب نے مسلم معاشروں کے لیے بطورِ خاص ایکشن پلان بنانے کی ضرورت پر زور دیا۔ ایک دن سیشن کے بعد ہم نے متحدہ عرب امارات کے مندوب ڈاکٹر ابراہیم سے بات چیت کی۔ ان کا کہنا تھا کہ اسلام یہ سب حقوق عورتوں کو دیتا ہے، ہمارا اختلاف بس وراثت اور شہادت پر ہے۔ اتنا وقت نہیں تھا کہ پوچھتے مگر ہم حیران ضرور ہوئے کہ پورنوگرافی، قحبہ گری اور اسقاط کے ''حقوق'' کے باب میں آپ کیا فرمائیں گے!! انہوں نے اپنے ہاں خواتین کی ترقی کی بہت سی مثالیں بھی دیں اور اسلام کے دیے ہوئے حقوق عورتوں کو دلوانے کی ضرورت پر زور دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اول تو ہماری عورت کے مسائل بہت مختلف ہیں۔ اور جو مسائل یکساں ہیں، ان کی وجوہات مختلف ہیں۔ اور اگر وجوہات ایک سی بھی ہیں تو وہ حل کے لیے مختلف ٹریٹمنٹ کی متقاضی ہیں۔ مثلاً ہمارے ہاں عورت کا سب سے بڑا مسئلہ غربت ہے، اور اس کا حل لازماً عورت کو ملازمت دینا نہیں بلکہ اس کے شوہر کو ملازمت دے کر بھی ہو سکتا ہے۔ اچھا طرزِ حکمرانی، آسان انصاف، بے روزگاری سے نجات، بدامنی کا خاتمہ، پینے کا صاف پانی، بنیادی صحت، تعلیم ۔۔۔۔ یہ سب ایک ترقی پذیر ملک کی اکثریتی آبادی کے مسائل ہیں۔ ان کے حل کے لیے ہمیں صنفی عینک لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ مسائل بنیادی انسانی حقوق کے تحت حل ہونے چاہیئں۔ پھر ہماری عورتوں سمیت ساری آبادی کا مشترک مسئلہ استعمار کی باجگزار حکومتیں ہیں، جن کی ترجیحات میں عوام کی بھلائی کسی درجے میں اہمیت نہیں رکھتی اور کوئی مائی کا لال انہیں پوچھ بھی نہیں سکتا۔ ہمارے ہاں بھی حکومتوں کے احتساب کی روایت مضبوط ہونے دی جائے اور دنیا بھر سے مجرموں کے حمایتی مشکل وقت میں انہیں عوامی احتساب سے بچانے کے لیے نہ کود پڑتے ہوں، تو کیا ہمارے عوام کی حالت بھی بہتر نہ ہونے لگے؟ ہمارے

دور دراز پسماندہ علاقوں میں عورت جانور سے بدتر زندگی گزارتی ہے، روایتی جکڑ بندیوں کا شکار ہے، اوران علاقوں کے وڈیرے ہمارے سیاست کے بڑے نا م ہیں، لڑکیوں پر تعلیم کے دروازے بند کرنے والے ہماری پارلیمنٹوں کی رونق ہیں، اوران میں خواتین بھی شامل ہیں۔

دوسرا پہلو مذہب کے کردار کو نظر انداز کرنا ہے۔ اسلام اسلام کا شور بہت مچایا جاتا ہے مگر اسلام کی خوبصورتی سے استفادہ کرنے کے لیے اس کو اجتماعی نظام کا حصہ بنانے پر کوئی پیش رفت نہیں۔ معاشرتی اصلاح کے پروگراموں میں بھی خال خال عورتوں کے احترام اوران کے حقوق کی ادائیگی کا تذکرہ سننے کو ملتا ہے۔ اچھے بھلے سمجھدار گھرانوں میں اکثر خود عورتوں کے حوالے سے روایتی سوچ پائی جاتی ہے۔ عورتوں کے سٹیٹس کے بارے میں مذہب اور روایت کو خلط ملط کرنا ایک بڑا مسئلہ ہے۔ اسلامی تحریکوں کا کردار بھی اس حوالے سے بہت قابلِ رشک نہیں ہے۔ این جی اوز کے اپنے مسائل ہیں۔ کانفرنس میں مختلف اسلامی ممالک کی این جی اوز موجود تھیں۔ انڈونیشیا کی ایک این جی او نے اپنے ایونٹ میں وہاں کے اسلامی قوانین کو عورتوں کی ترقی میں بڑی رکاوٹ قرار دیا۔ ہال میں موجود مصر کی مندوب نے ہمت کر کے کہا کہ اسلام نے تو بہت سی جگہوں پر عورت کو بہت مضبوط کیا ہے، اس پر سب کو سانپ سونگھ گیا اور چند طنزیہ تاثرات اُبھرے۔ زیادہ تر مسلم ممالک کی طرح ہمارے ہاں بھی عورت کی امپاورمنٹ پر کام کرنے والوں کا مائنڈ سیٹ بیرونی سانچے میں ڈھلا ہوا ہے، اس بنا پر وہ اپنے مسائل کے مقامی حل تلاش کرنے سے قاصر ہیں اوران کی طرف سے کی گئی عورتوں کے حقوق کی بات معاشرے میں قبولیت نہیں پاتی۔ بیجنگ کا تیسرا مرحلہ بیجنگ پلس ۱۰ کانفرنس ۲۰۰۵ میں ہوئی تھی جبکہ اسی سال کا گیلپ سروے جو بعد ازاں نیویارک ٹائمز میں شائع ہوا، بتاتا ہے کہ مسلم ممالک کی خواتین خود کو ہرگز مظلوم (Oppressed) یا دوسرے درجے کا مقام قبول کرنے پر مجبور نہیں سمجھتیں۔ سروے میں شامل ہر ملک سے بھاری اکثریت میں عورتوں نے یہ بھی اقرار کیا کہ ان کے معاشروں کا بہترین پہلو اپنی اخلاقی اور روحانی اقدار اور مذہبی عقائد سے وابستگی ہے۔ گیلپ کی تجزیہ نگار کا کہنا تھا کہ مشرق میں عورتوں کی تقویت خطے میں امریکہ کے اہم مقاصد میں سے ہے، لیکن اس بارے میں کسی ٹھوس ثبوت کے بغیر ہی کہ دراصل مسلمان عورتیں چاہتی کیا ہیں، وہ محض دلچسپی کی بنا پر سرگرم عمل ہے (۲)۔ اس کے مقابلے میں اگر مذہب کے Meta-narrative کے ذریعے ہمارے مسائل حل ہو سکتے ہیں تو یہ ہمارے لیے آسان تر اور زیادہ فطری راستہ ہونا چاہیئے۔

یہ LGBT والا معاملہ بھی بے حد دلچسپ ہے۔ ہم نے تو اب آ کر تیسری صنف کو ووٹ کے قابل سمجھا، ورنہ اب تک وہ تفننِ طبع کا حوالہ ہی تھے۔ وہ بھی اپنی اس شناخت پر مطمئن اور ہم بھی خوش۔ مگر مغرب میں صنف کے معاملے میں پیدائشی انحراف والوں کو رویوں کے انحراف والوں کے ساتھ ملا کر ایک کلب بنا دیا گیا ہے اوران کے جنسی حقوق کے لیے جدوجہد زوروں پر ہے۔ الہامی مذاہب کے اثرات کی بنا پر جدید دنیا میں بیسویں صدی کے آغاز تک ہم جنس پرستی کو ایک معاشرتی برائی سمجھا جاتا تھا اور یہ ایک قابلِ سزا عمل تھا۔ ۱۸۹۵ میں مشہور ڈرامہ نگار آسکر وائلڈ کے مقدمے نے یورپ اور امریکہ میں بے حد شہرت پائی تھی۔ پھر ترقی یافتہ قوموں کو احساس ہوا کہ ہم شاید انسانیت کو کسی بہت بڑی خیر سے محروم رکھے ہوئے ہیں۔ لہٰذا رفتہ رفتہ پہلے اس کے لیے معاشرے میں قبولیت پیدا کی گئی، پھر ایک طویل جدوجہد کے بعد اس کو جرم قرار دینے والے قوانین سے چھٹکارا حاصل کیا گیا۔ امریکہ میں یہ سلسلہ ۲۰۰۳ تک مکمل ہوا۔ اس کے باوجود ایسے لوگوں کو اسّی کی دہائی کے آغاز تک جسمانی یا نفسیاتی مریض کے زمرے میں رکھا جاتا تھا بلکہ امریکی نفسیات دانوں کے نزدیک یہ آج بھی صنفی شناخت کی

خرابی پر مبنی رویہ ہے۔ پھر برطانیہ میں پہلی بار ۱۹۸۵ میں اور امریکہ میں ۱۹۹۰ میں ان پر ٹی وی شوز (soaps) چلانے کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد شور مچنے کے باوجود اس سلسلے نے رکنے کا نام نہیں لیا (۳) یہاں تک کہ میڈیا کی برکات سے آج یہ مغرب میں نہ صرف لائف سٹائل ہے، بلکہ اس طرزِ زندگی کی حمایت کرنا آپ کے موڈرن اور روشن خیال ہونے کی علامت بن گیا ہے۔ پھر اکیسویں صدی خاندان کی نئی تشریح لے کر آئی۔ ہم جنس پرستوں کی ''خاندانی زندگی'' پر تحقیق ہونے لگی۔ ایک حالیہ سروے میں نصف سے کچھ زیادہ امریکی یک صنفی ''شادی'' کو قانونی حیثیت دینے کی حمایت کرتے ہیں۔ جبکہ مخالفت کرنے والوں کی اکثریت اسے مذہبی اور اخلاقی بنیادوں پر غلط اور خاندانی نظام کی جڑیں کاٹنے کے مترادف سمجھتی ہے (۴) (حال ہی میں امریکہ میں یک صنفی شادی کو قانونی حیثیت دے دی گئی ہے)۔ براعظم یورپ، امریکہ اور آسٹریلیا کے تقریباً تمام ملکوں میں یہ اجازت اب تک مل چکی ہے۔ البتہ گزشتہ دنوں جاپان کے وزیراعظم نے جن کا تعلق لبرل پارٹی سے ہے، اپنے ملک میں اس تقاضے پر خاصی برہمی کا اظہار کیا اور اسے اپنے سماجی نظام کے لیے خطرہ کہا، جس پر انہیں میڈیا کی طرف سے قدامت پرستی کا طعنہ ملا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم جنس پرستی کو ایک نارمل بلکہ پسندیدہ عمل سمجھنے کے اس رجحان نے جدید مغربی معاشرے کو تمام تر جدت پسندی کے باوجود قدیم عذاب یافتہ قوموں کے زمانے سے جوڑ دیا ہے۔

سیشن کے دوران وقفوں میں خوب رونق رہتی۔ کیفے بھی آباد رہتے اور لابیز میں آتے جاتے ملاقاتوں کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ برطانیہ والوں سے ہم نے عرض کی کہ جناب، ہم تو ٹھہرے بیک ورڈ، جتنے مسائل ہوں اتنے کم ہیں، مگر آپ ایک جدید سوسائٹی ہیں آپ کے ہاں عورت کے کیا مسائل ہیں؟ کہنے لگے بس وہی۔۔۔ امتیازی رویے، گھریلو تشدد وغیرہ وغیرہ۔۔۔ ہم نے کہا یہ تو ہمارے ہاں کے مسائل ہیں۔ بولے، ویل، مسائل تو ہر جگہ ایک سے ہی ہیں۔۔۔ ہم نے کہا بجا فرمایا مگر وجوہات اور پس منظر مختلف ہیں، تو آپ کے ہاں کیا وجوہات ہیں؟ اور پچھلے بیس سال میں کیا پیش رفت ہوئی ہے، کوئی موٹی سی بات بتا دیں۔ وہ شاید اس سوال کے لیے تیار نہ تھے، کہنے لگے، ام۔۔۔ اس کا جواب بہت پیچیدہ ہے، یوں بتانا آسان نہیں۔ ہم مسکرا کر رہ گئے۔ اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ ترقی یافتہ ممالک میں تمام تر کوششوں کے باوجود ابھی تک خواتین کے اعلیٰ عہدوں پر پہنچنے کی شرح بہت کم ہے۔ تعلیم، خوشحالی اور قوانین کے باوجود گھریلو تشدد کی شرح خوفناک ہے، ہماری عورتیں تو شوہر کا ہی ظلم سہتی ہیں، یہاں ساتھ بوائے فرینڈ والا ''رولا'' بھی ہے، کھایا نہ پیا، گلاس توڑا بارہ آنے۔۔۔ شوہر تو جیسا تیسا ہو، تحفظ بھی دیتا ہوگا اور قانوناً اخراجات اور اولاد کی پرورش کا پابند بھی ہوگا، بوائے فرینڈ کی مار کیا سوچ کر ہضم ہوتی ہوگی؟ سکولوں میں بچوں کو ہر طرح کی سیکس ایجوکیشن دینے کے باوجود، جو یو این پروگرام کا لازمی نکتہ ہے، وہاں ٹین ایج پریگننسیز کی شرح کنٹرول ہونے میں نہیں آ رہی۔ نصف سے زیادہ شادیاں طلاق پر منتج ہو رہی ہیں، سنگل پیرنٹ اولاد ایک معمول کا منظر ہے۔۔۔ مغرب کی عورت کی مسیحائی کون کرے گا؟

عمارت کی طویل لابی میں تصویری نمائش تھی، آغاز میں کمزور دل افراد کے لیے تنبیہہ کے ساتھ۔۔۔ نمائش کیا تھی، امت کے زخموں کا تماشا لگا تھا، شام کی حکومت کے ہاتھوں اپنے ہی شہریوں کے ادھیڑے ہوئے جسم۔۔۔ اور اس نمائش میں تعاون کرنے والوں میں یورپی ممالک کے ساتھ کچھ اسلامی ملکوں کے نام بھی تھے۔ میں سوچتی رہی، اس کی جگہ روہنگیا مسلمانوں کی لاشوں کے انبار بھی دکھائے جا سکتے تھے، مگر شاید ان کے لیے اسلامی ملکوں کا تعاون نہیں ملا!!

یہاں کے لوگ مدد کرتے ہیں۔آنے سے پہلے یہ سنا تھا اور اس کو درست پایا۔ایک تو کثیر القومی شہر ہونے کی بنا پر غیر ملکی شکل وصورت کوئی اچنبھا نہیں۔ دوسرے سیاحوں کی کثرت کے باعث ہر کوئی جانتا ہے کہ نیا آنے والا کس قسم کے مسائل سے دوچار ہوگا۔یہاں کے گداگر بھی سیاحوں کے لیے دلچسپی کا باعث ہیں۔ٹائم سکوئر سٹیشن پر اکثر نوجوان لڑکوں کا کوئی گروپ میوزک کے ساتھ اچھل کود کر رہا ہوتا اور آخر میں سکوں کے لیے ٹوپی پھیلا دیتا۔ہمیں تو ہٹے کٹے فقیر کو دیکھ کر شرم دلانے کی عادت ہے کہ کوئی کام کیوں نہیں کرتے۔ان کو ہم کیا کہتے جو بے چارے چند سکوں کی بھیک بھی دہاڑی دار مزدور سے زیادہ محنت کر کے مانگتے تھے، گویا بھیک بھی ''کماتے'' تھے۔

کانفرنس کے دوران مووی سکریننگ کے بھی سیشن تھے جن کے بعد مووی پر اظہارِ خیال اور فلم ڈائریکٹر سے سوال و جواب کا سلسلہ ہوتا۔ایک مووی ''ریفیو ہیاڈو'' (پناہ گزین) کا بطورِ خاص ذکر کرنا چاہوں گی۔سچے واقعات سے اخذ کی ہوئی ہسپانوی زبان کی اس فلم کی کہانی عورتوں پر گھریلو تشدد اور بچوں پر اس کے اثرات کے موضوع پر تھی۔موضوع کی سفاکی کے باوجود ایک بھی پُرتشدد منظر نہیں تھا۔واقعات اور احساسات کی سطح پر اس خوبی سے فلم تخلیق کی گئی تھی کہ اختتام پر اکثر ناظرین آنکھوں کے نم گوشے صاف کر رہے تھے۔جس نفاست اور احتیاط سے اس نازک موضوع کو ٹریٹ کیا گیا وہ قابلِ داد تھا۔اگرچہ فلمسازی دنیا بھر میں ایک صنعت ہے جس کا مقصد پیسہ کمانا ہے، مگر اپنے معاشرتی مسائل پر پوری گرفت اور پھر پیش کاری میں ذہانت کا استعمال مغرب میں معیاری فلموں کی تخلیق کی بنیادی وجہ ہے۔یہ فلمیں کاروبار بھی اچھا کر جاتی ہیں کیونکہ ان کا ناظر بھی باشعور ہے، ہمارے فلم بینوں کی طرح بالی وُڈ کی بارہ مسالے کی چاٹ کا شیدائی نہیں۔

کیفے کے ساتھ یو این سووینیئرز کے کئی سٹالز تھے۔ایک سٹال پر ایک کم عمر شوخ سی امریکی لڑکی کھڑی تھی۔خریداری کرتے ہوئے یونہی اس سے پوچھا کہ گھومنے کے لیے کوئی جگہ بتاؤ۔چند مشہور جگہوں کا ذکر کر کے کہنے لگی، لیکن اگر واقعی مزا کرنا ہے۔۔۔ہپ ہوپ یونو۔۔۔آئی مین ریئل فن۔۔۔اس کی آنکھیں خاص انداز سے چمکنے لگیں۔اب وہ مجھے بڑے خلوص کے ساتھ بروڈوے پر کسی 'بہت خاص' جگہ کا پتہ دے رہی تھی اور میں اپنی مسکراہٹ چھپانے میں ناکام ہو رہی تھی۔

مین ہیٹن کی ان سایہ دار گلیوں میں شاید ہی کوئی گلی ہو، جس میں کوئی مشہور و معروف جگہ موجود نہ ہو یا جس کے مناظر ہالی ووڈ موویز کی زینت نہ بنے ہوں۔ آپ غلطی سے بھی کسی طرف نکل جائیں تو کوئی نہ کوئی ایسی جگہ سامنے آجاتی ہے جس کے بارے میں دیکھ سن یا پڑھ رکھا ہوتا ہے۔بزبانِ ولی:

ہر پیچ میں چیرے کے ترے لپٹے ہیں عاشق
عالم کے دلاں بند ہیں تجھ بند قبا کے

لہٰذا نیویارک دیکھنے کے شوق کو بہت سی لگامیں ڈال کر رکھنا ضروری تھا۔ہم خود ہی ایک جگہ کو منتخب کرتے، اسے دیکھنے اور نہ دیکھنے کے سارے دلائل دونوں طرف سے خود ہی پیش کرتے اور پھر فیصلہ سنا دیتے جو عموماً نہ دیکھنے کے حق میں ہوتا۔مثلاً مجسمہ آزادی۔۔۔وہ تو دور بہت ہے، فیری پر بیٹھو پھر واپس آؤ، پورا دن لگ جائے گا۔سنٹرل پارک۔۔۔وہ تو آپ کبھی بھی پورا نہیں پھر سکتے اتنا بڑا ہے، تو پھر ایک کو نہ جھانک لینے کا فائدہ۔۔۔مادام تساؤ۔۔۔لندن والا ہوتا تو بات بھی تھی، یہ تو یونہی سا ہوگا۔۔۔میوزیم آف نیچرل ہسٹری۔۔۔سنا ہے امریکیوں کی نیچرل ہسٹری ہے، دنیا کی ہوتی تو دیکھ لیتے۔۔۔میسیز سٹور۔۔۔شاپنگ

والا تو یہاں کوئی حال ہی نہیں اور پھر ہر چیز تو ہمارے ہاں ملتی ہے۔۔۔ٹائم سکوئر۔۔۔روزانہ راستے میں پڑتا ہے، کسی دن رک کر گھوم لیں گے۔مشہور اوپیرا ہاؤس لنکن سنٹر۔۔۔ایک دن رستہ بھٹکی تھی تو خود ہی سامنے آ گیا تھا، بس سرسری سا دیکھ لیا کافی ہے۔صاحب کی پرزور فرمائش تھی کہ امپائر سٹیٹ ضرور جاؤ۔ہم نے کہا اچھی بلڈنگ ہے، تصویروں میں زیادہ اچھی طرح دِکھ جاتی ہے۔بولے حد ہوگئی، آپ کو بلڈنگ نہیں دیکھنی بلکہ اس کی چھت پر سے شہر کا نظارہ کرنا ہے جو کہ ایک انوکھا تجربہ ہوتا ہے۔۔۔آخر اتنی اونچی بنائی ہے انہوں نے وہ بلڈنگ۔۔۔اور پھر شہر بھی نیویارک جیسا۔۔۔۔

اب ہم نے پوری سنجیدگی سے دل کو لائن حاضر کیا کیونکہ ہمارے قیام کا واحد ویک اینڈ آن پہنچا تھا اور کانفرنس میں دو دن کا وقفہ تھا۔فیصلے پر نہ پہنچ سکنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ دو دن بالکل ضائع ہو جائیں گے۔دل نے پورے خلوص سے تین جگہوں کا نام لیا۔۔۔وال سٹریٹ، گراؤنڈ زیرو اور گرین وِچ ولیج۔۔۔جب معلوم ہوا کہ پہلی دونوں جگہیں پاس پاس بھی ہیں اور یہاں سے زیادہ دور بھی نہیں ہیں تو خواہش ارادے میں ڈھلنے لگی۔ندا سے پوچھا تو کہنے لگی مجھے آج ایک کام سے اسی طرف جانا ہے، اچھا ہے میں بھی دیکھ لوں گی، پھر اس کے بعد آپ اپنا پروگرام خود بنا لیجئے گا۔اتوار کا دن گرین وچ کے لیے سوچ لیا کیونکہ وہ زیادہ فاصلے پر تھا۔

وال سٹریٹ:

مشتاق ہیں عشاق تری بانکی ادا کے زخمی ہیں محباں تری شمشیرِ جفا کے

سرمایہ دارانہ نظام کا یہ قبلہ وکعبہ شاید اس وقت ہماری دنیا کی طاقتور ترین جگہ ہے۔عالمی منڈی میں سب سے زیادہ کاروبار کی حامل دو بڑی سٹاک ایکسچینج کی کمپنیاں جو اتفاق سے دونوں امریکی ہیں، ان کے مراکز یہاں پر ہیں۔کچھ سال قبل یہاں ہونے والے مظاہروں نے دنیا میں ان کو بہت خوش کیا جو سودی معیشت کے شکنجوں میں جکڑے، عالمی مالیاتی اداروں کے زہر میں پور پور ڈوب کر نیم جان ہو رہے تھے۔یا جو کارل مارکس مرحوم کی پیشین گویوں کے سچا ہونے کی امید میں اب تک زندہ تھے۔مگر کیپیٹل ازم کی بنیادیں ہلنا تو کجا، اس کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔اپنی سیاسی پالیسیوں کی بنا پر دنیا بھر کی نفرت مول لینے والے امریکہ کی سرزمین پر جو اترتا ہے، اس کے منہ کو ڈالروں کا خون لگنے کی دیر ہوتی ہے کہ وہ اپنا رام بھول کر اس کے قدموں میں اپنا سر رکھ دیتا ہے۔

کیا ہوں رفتہ رفتہ رام اس کی چشمِ وحشی کوں کہ جیوں آہو کو کرتے ہیں شکار آہستہ آہستہ

اس نظام کا پہلا جھٹکا تو ہمیں جان ایف کینیڈی ایئر پورٹ پر اترتے ہی ملا تھا، جب سامان کے لیے حسبِ معمول ٹرالی گھسیٹنا چاہی تو ایک پلا ہوا گارڈ سامنے آ گیا اور گھور کر کہنے لگا ''سکس ڈالرز''۔پہلے تو ہمیں اپنے کانوں پر یقین نہ آیا، پھر زیرِ لب کہا ''ندیدے!'' اور ادائیگی کر دی۔بعد میں قدم قدم پر اندازہ ہوتا رہا کہ یہاں ہر طرف ڈالر ڈالر کھیلا جاتا ہے۔یورپ کی طرح ویلفیئر سٹیٹ کا تصور لے کر کوئی یہاں آئے تو اسے وافر مقاماتِ حیرت وحسرت ملیں گے۔علامہ اقبال انٹرنیشنل پر انتظار کے دوران ہم ایگزیکٹو لاؤنج کی تمام سہولیات سمیت آن لائن سروس سے مستفید ہوتے رہے تھے۔دوحہ ایئر پورٹ پورٹ پر لمبی لمبی سکائپ کالیں کر کے بچوں کو ایئر پورٹ کے دلچسپ نظارے دکھائے تھے۔یہاں پر جب باوجود کوشش کے رابطے کی مردہ رگوں میں جان نہ آئی تو ایک کاؤنٹر پر جا کر پوچھا، یہاں آن لائن سروس نہیں ہے؟ جواب ملا، آپ کو پے کرنا ہوگا، اور ہم لاحول پڑھ کر رہ گئے۔یہ اس کیپٹلسٹ معیشت ہی کی

برکات ہیں کہ میرے بچوں نے مجھے رخصت کرتے ہوئے بڑوں کی طرح نصیحت کی کہ باسکن اینڈ رَوبن کی آئس کریم اور سٹاربکس کی کافی ضرور ٹرائے کرنی ہے۔۔۔۔مبادا کفرانِ نعمت ہوجائے!

مسلسل کن من ہورہی تھی۔وال سٹریٹ ٹریفک کے لیے بند تھی۔لوگ پیدل گھوم رہے تھے۔سو ہم نے بھی اس کوئے ملامت پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک پاپیادہ سفر کیا۔اشفاق احمد مرحوم کا ٹیلی پلے ''ننگے پاؤں'' یاد آتا رہا۔نیویارک اسٹاک ایکسچینج کی عمارت کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوکر اپنی کم مائیگی کا اعتراف کیا اور قصوروں کی معافی چاہی، ٹاؤن ہال کے سامنے نصب جارج واشنگٹن کے مجسمے کو خراجِ عقیدت پیش کیا، عمارتوں کی بلند پیشانیوں پر کندہ ڈیڑھ سے دوسو سال پرانی تاریخیں پڑھ کر سر دُھنا، اور جب فدویت میں پور پور ڈوب گئے تو دیکھا کہ وال سٹریٹ ختم ہے اور سامنے ٹرینٹی چرچ کھڑا ہے۔بائیں مڑ جائیں تو آگے باؤلنگ گرین پبلک پارک کے قریب کانسی کا بنا ہؤا وہ مشہور غصیلے بھینسے کا مجسمہ نصب ہے جو اس سرمایہ داری نظام کی طاقت کی علامت بن گیا ہے۔OWS مظاہروں کے دوران اس بھینسے کی بھی میڈیا میں خوب ''کردار کشی'' ہوئی۔

ٹرینٹی چرچ کی ڈیوڑھی میں ملکہ برطانیہ الزبتھ دوم کے نقشِ قدم پر سنہرا دائرہ لگایا گیا ہے۔۱۶۹۶ میں قائم ہونے والے اس چرچ کی ۱۷۸۸ میں تعمیرِ نو ہوئی جبکہ موجودہ عمارت ۱۸۴۶ کی بنی ہوئی ہے۔ٹوئن ٹاور گرنے کا سانحہ پیش آیا تو بہت سے لوگوں نے گرتے ہوئے ملبے سے بچنے کے لیے اس چرچ میں پناہ لی۔مین ہیٹن کا سب سے پرانا چرچ سینٹ پال چیپل اسی کا حصہ ہے اور اس سے کچھ ہی بلاکس کے فاصلے پر ہے۔اس کے صحن میں لگا ہؤا سو سال قدیم انجیر کا درخت بھی اس حادثے میں تباہ ہؤا۔اب اس کی جڑوں پر یادگاری مجسمہ نصب ہے۔

چرچ کا اندرونی منظر بے حد خوبصورت ہے۔اونچے اونچے ستون کمان دار قوسوں کی شکل میں بلند چھت سے جا ملتے ہیں۔رنگین شیشوں کی ٹکڑیوں کے پیچیدہ ڈیزائن سے بنی ہوئی کھڑکیاں اور چرچ کے ماحول کا مخصوص الوہی تقدس۔تصورات میں سنے اور پڑھے ہوئے کئی مناظر تخیل کی رنگ آمیزی کے ساتھ گھومتے رہے۔

گراؤنڈ زیرو:

کسی زبردست ایکشن تھرلر موووی کے ہوش ربا مناظر کی طرح ٹوئن ٹاورز سے یکے بعد دیگرے دو جہازوں کا ٹکرانا اور چند لمحوں بعد ان دیوقامت میناروں کا دیمک زدہ ڈھانچے کی طرح زمیں بوس ہوکر دھول کے سمندر میں غرق ہوجانا۔۔۔اس وقت یہ تباہی کتنی بڑی محسوس ہوئی تھی۔مگر کیا خبر تھی کہ یہ تو صرف کرۂ ارض پر تباہیوں کے ایک لامتناہی سلسلے کا نقطۂ آغاز ہے، اور اس کے بعد اسی ہالی وُڈ سٹائل سے نہ صرف عراق اور افغانستان اُدھیڑ کر رکھ دیے جائیں گے بلکہ پاکستانیوں کی زندگیاں بھی اجیرن ہوجائیں گی، اور Embedded جرنلزم نامی ہنر کے طفیل دنیا کو خبر بھی نہ ہوگی کہ کیا کچھ ہوچکا ہے!!

ٹوئن ٹاورز کی وسیع وعریض جگہ کو اسی طرح رکھ کر دونوں میناروں کی بنیادوں پر دو وسیع تالاب بنائے گئے ہیں جن میں ہر وقت ماربل کے بنے کناروں سے پھسل کر پانی گرتا رہتا ہے۔ایک تو بارش اوپر سے یہ مسلسل بہتا پانی۔۔۔یوں لگا دنیا پانی کی بنی ہے۔سانحے میں جاں بحق ہونے والوں کے نام اعلیٰ درجے کے گرینائٹ پر بڑی خوبصورتی اور صفائی سے کندہ کیے ہوئے ہیں جن میں بہت سے مسلمان نام بھی شامل ہیں۔ان ٹاورز کا غم غلط کرنے کے لیے پاس ہی ایک نیا ٹاور

کھڑا کر دیا گیا ہے، مرحومین میناروں سے کہیں زیادہ خوبصورت اور قیمتی، امپائر سٹیٹ سے بھی اکیس فٹ اونچا، جس سے پرانے ٹاوروں کی نسبت کہیں زیادہ بزنس ملنے کی توقع کی جارہی ہے۔ ایک عالیشان میوزیم بھی بنایا گیا ہے جس کو ایک ماہ پہلے ہی کھولا گیا تھا اور جس پر ٹکٹ لینے والوں کی لمبی قطاریں تھیں، اور جس میں اس حادثے کی باقیات کو سیاحوں کے ہاتھ مہنگے داموں بیچا بھی جاتا ہے۔ اس کے بعد جب ہم نے ایک شیڈ کے نیچے اس یادگار کے لیے صدقہ دینے کو ڈبہ رکھا ہوا دیکھا تو اس ''فاقہ مستی'' پر بل کھا کر رہ گئے۔ ایک نفسیاتی حربے کے علاوہ اور اس کا کوئی مقصد سمجھ نہ آیا۔ ہم اس کے سوا کیا کہتے کہ صاحب! ہم سے زیادہ کس نے تاوان بھرا ہے آپ کے نقصان کا۔۔۔ ہم نے تو مال کیا، اپنی خود مختاری گروی رکھ دی۔۔۔ جانیں صدقہ کر دیں۔۔۔ اب آپ اور کیا مانگتے ہیں ہم سے!!

یہ اسی واقعے سے شروع ہونے والے حالات کا شاخسانہ ہے کہ سالہا سال سے مغربی ممالک کی ترقی میں اپنا خون پسینہ بہانے والی مسلمان آبادیوں کو امتیازی رویوں اور ہیٹ کرائمز کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ نو گیارہ تبدیلی کے جس سلسلے کا آغاز ثابت ہوا، اس کا سب سے بڑا حصہ بیانیوں (Narratives) کی تبدیلی ہے۔ عالمگیریت نامی نئی بلا نے اب ہماری زندگی کے ہر پہلو کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ کیا ورلڈ آرڈر اور کیا دہشت گردی کے خلاف قوانین، امریکہ بہادر کی تھانیداری کو سب سے زیادہ فائدہ اسی بلا نے دیا ہے۔ اور اس سارے کھیل کی کامیابی کے لیے پرانے بیانیے یکسر تبدیل کر دینا بے حد ضروری تھا۔ مسلمان کے امیج کو دہشت گردی سے جوڑنا اسی کا حصہ ہے۔ امریکہ تو امریکہ، برطانیہ میں گزشتہ سال مسلمانوں کے خلاف ۵۷۰ ہیٹ کرائمز رپورٹ ہوئے جن میں زیادہ تر کا نشانہ مسلم خواتین بنیں (۵)۔ واشنگٹن پوسٹ کے مطابق اس واقعے نے امریکی مسلمانوں کے لیے حالات کو یکسر تبدیل کر دیا ہے (۶)۔

ٹائم سکوئر:

ٹائم سکوئر نیویارک کی اصل رونق ہے۔ شام پڑتے ہی بڑی بڑی سکرینیں جگمگانے لگتی ہیں۔ یہ اور بات کہ یہاں بل بورڈز صرف ٹائم سکوئر کے علاقے میں نظر آئے۔ ہماری طرح نہیں کہ ڈرائیور کی توجہ بٹانے کے لیے شہر کے ہر چوراہے پر کہیں کرینہ کپور لیٹی ہے تو کہیں ایان علی۔ سیاحوں کے غول کے غول پھرتے ہیں، کیفے اور دکانیں ہر وقت آباد رہتی ہیں۔ ایک سکرین کے نیچے خوب گہما گہمی تھی۔ دیکھا تو اس پر تماش بینوں کا اپنا تماشا لگا ہوا تھا۔ پس پردہ کہیں چھپا ہوا تماشا گر لوگوں کے ہجوم پر کیمرہ فکس کر دیتا، سکرین پر دل کا خاکہ ابھرتا اور دل کے ماروں کو بوسہ کشی کی دعوت دی جاتی۔ پھر وہ دل سمٹتا سمٹتا عین درمیان میں اس طرح رک جاتا کہ صرف ایک بوسہ کش جوڑے کو اپنے حلقے میں لے لیتا اور سارا ہجوم سیٹیوں اور تالیوں سے داد دیتا۔ سارا دن پیدل چلتے اب میرا تھکن اور پیاس سے برا حال تھا۔ مشروبات کی ایک دکان میں جھانکا تو وہاں بادہ وساغر والا معاملہ لگا۔ تھوڑا آگے ایک کیفے تھا۔ سٹاربکس کولڈ کافی کے نام پر جو چیز ملی اس میں چند گھونٹ پانی ملی کافی کے تھے اور باقی گلاس برف سے بھرا ہوا تھا۔ ایک پتلا سویٹر پہن کر دن بھر بارش میں بھیگنے، اور واپسی کا سارا راستہ برف چبانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اپارٹمنٹ پہنچتے ہی بخار ہو گیا، سینہ ٹھنڈ سے جکڑا گیا اور اور میں بے جان ہو کر یوں بستر پر گری کہ اگلے دن گھومنے کا پروگرام منسوخ کرنا پڑا۔

یہاں بارش میں خوشبو نہیں ہوتی۔ شاید اس لیے کہ یہاں مٹی نہیں ہوتی۔ پھلوں میں ذائقہ اور خوشبو ناپید ہے۔ دودھ مصنوعی اور بدمزہ ہے۔ چکن کو جتنا پکاؤ اتنا سخت ہوتا جاتا ہے۔ دم والی چائے کے لیے کھلی پتی نہیں ملتی۔ ہم جیسوں کے لیے کھانا پینا ایک دکھی معاملہ ہے۔ کہیں کہیں حلال فوڈ کے ٹھیلے نظر آتے ہیں مگر یہ

کھانا روز نہیں کھایا جا سکتا۔ یہاں رہنے کے لیے قدرتی چیزوں کی بجائے مصنوعی چیزوں کا مزا لینا سیکھنا پڑتا ہے، پیکیجڈ غذاؤں کے ذائقے سے دوستی کرنی پڑتی ہے۔ ہر چیز پیکٹ میں، ہر غذا ڈبے میں بند ملے گی۔ غذائیت اور بیماریوں کے تعلق پر انتہائی جدید تحقیق سے دنیا بھر کو روشناس کرانے والی قومیں خود اپنے شہریوں کو کیا کھلا رہی ہیں، یہ کمرشل ازم میں جکڑے ہوئے اس معاشرے کو دیکھ کر سمجھ آتی ہے اور عبرت بھی ملتی ہے۔ ہم غریب سہی مگر ابھی تک قدرتی غذاؤں سے اتنے دور نہیں ہوئے۔ اب اتنے زیادہ خالی پیکٹوں، لفافوں اور ڈبوں کا کیا ہو؟ اسی لیے کوڑا کرکٹ ٹھکانے لگانے کا بندوبست یہاں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ ہر جگہ دو بلکہ تین تین بھی کوڑے دان رکھے ہوئے ہیں جن میں کوڑے کی درجہ بندی کی گئی ہے اور اس درجہ بندی کی خلاف ورزی کرنے والے کے لیے جرمانے کا اعلان ہے۔ میں نے تو چلتے چلتے کبھی ٹشو پیپر بھی ان میں نہ پھینکا مبادا غلط بن میں جا پڑے۔ کوڑے دانوں کا کوڑا سڑکوں کے کنارے بڑے بڑے کالے لفافوں میں لپٹا اکٹھا ہوتا رہتا ہے جس کو مقرر وقتوں پر گاڑیاں اٹھا لیتی ہیں۔

ان سارے انتظامات کا سیدھا سا نتیجہ یہ ہے کہ شہر صاف رہتا ہے۔ دنیا کا مصروف ترین کاروباری اور سیاحتی مرکز ہونے کی بنا پر اتنے لوگوں کی نقل وحرکت اور آمدورفت کے باوجود شاذونادر ہی کہیں کوئی گند نظر آتا ہے۔

معاشرت کا عکس:

میرے خیال میں نیویارک کی سب سے دلچسپ چیز میٹرو سب وے ہے۔ یہ عوام کی جگہ ہے۔ یہاں آپ شہر اور لوگوں کے بارے میں بہت کچھ جان سکتے ہیں۔ آپ جتنی دیر چاہیں میٹرو سٹیشن کے اندر گھومتے رہیں، ٹرین میں ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کریں، ہر بار آپ کچھ نہ کچھ نیا سیکھتے اور دیکھتے ہیں۔ امریکی کلچر یہاں پوری طرح عیاں ہے۔ گا بجا کر مانگنے والے جگہ جگہ ڈیرہ جمائے ہوتے ہیں۔ سنیاسی بابا ٹائپ کردار بھی گلے میں مالائیں پہنے کتابچے سجائے نظر آئیں گے۔ ہر طبقے کا شخص یہاں ملے گا۔ کمپنیوں کے سوٹڈ بوٹڈ افسر، یونیورسٹیوں کے اساتذہ، کاروباری افراد، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے بچے اور نوجوان، معمولی ملازمتیں کرنے والے محنت کش، ہر عمر رنگ اور نسل کے لوگ۔۔۔ ایک جیسا کرایہ دے کر ایک ہی جیسے ڈبوں میں ایک ہی وقت سوار ہوتے ہیں، بیٹھنے کی جگہ مل گئی تو بیٹھ گئے ورنہ کھڑے ہیں۔ صرف معذوروں کے لیے چند نشستیں مخصوص ہیں جو انہیں ترجیحاً دی جاتی ہیں۔ عوام کی ایک کثیر تعداد ذاتی ذرائع ہونے کے باوجود میٹرو کے سفر کو ترجیح دیتی ہے کیونکہ یہ ذریعہ سستا بھی ہے، سریع بھی اور ڈرائیونگ کی مشقت سے بھی بچاتا ہے۔ صبح شام رش کے اوقات میں اور بعض مصروف سٹیشنوں پر ہر وقت اتنے زیادہ لوگ ہوتے ہیں کہ پلیٹ فارم تک پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ قانون کی پابندی کے حوالے سے چند باتیں بے حد متاثر کن تھیں۔ مثلاً ٹرین کا دروازہ کھلنے کے بعد جب تک آخری نکلنے والا باہر نہیں آ جاتا، باہر کھڑے ہجوم میں سے کوئی اپنا قدم نہیں بڑھاتا بے شک ایک جمِ غفیر باہر کھڑا ہو۔ اندر داخل ہوتے ہوئے دھکم پیل نہیں ہوتی، سیٹ پر بیٹھنے کے لیے کھینچا تانی کا کوئی سوال نہیں۔ ایک کو بڑھتا دیکھ کر دوسرا خود پیچھے ہو جاتا ہے۔ سب سے اہم بات یہ کہ جسمانی طور پر ایک دوسرے سے محتاط فاصلہ برقرار رکھا جاتا ہے خواہ آپ کھچا کھچ بھرے ہوئے ڈبے میں کیوں نہ کھڑے ہوں، حالانکہ یہاں ہر پس منظر کے لوگ موجود ہوتے ہیں اور عورتوں مردوں کے الگ ڈبے بھی نہیں ہیں۔ ایسی جگہوں پر ہمارے ہاں تو اکیلی خاتون سفر کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ وجہ یہ کہ ان کے ہاں پبلک مقامات پر ہر

شخص کی جسمانی حدود کے احترام پر قوانین موجود ہیں جن پر سختی سے عمل ہوتا ہے۔ گویا محض قانون پر عملدرآمد کے ذریعے ایک قوم کی اسطرح کے معاملات میں بھی تہذیب کی جاسکتی ہے!! لوگوں کی خواہشات قانون کی شکل میں ڈھلتی ہیں، یا قانون اور معاشرتی ادارے افراد کے رویوں کی تشکیل کرتے ہیں، اس نکتے پر فلسفیوں میں بڑی لمبی بحثیں موجود ہیں۔ جدید برطانوی مفکر انتھنی گڈنز کے اس خیال نے خاصی پذیرائی پائی ہے کہ یہ فرد اور معاشرے کا مسلسل اور دوطرفہ تعامل (Structuration) ہے جو ایک سوسائٹی کی صورت گری کرتا ہے (۷)۔ لوگوں کی زندگیوں میں موجود قدروں کو معاشرتی نظام میں ڈھالا جاتا ہے، پھر یہ مجموعی نظام آنے والی نسلوں کی اقدار بناتا ہے۔ امریکی قوم اب اس مرحلے پر ہے کہ بہت سے معاملات میں قانون انفرادی رویوں کی تہذیب میں ڈھل گیا ہے۔ یہی ان کی خلاقیات ہے۔ البتہ اس اخلاقیات کا پھیلاؤ اور ظرف چونکہ الہامی اخلاقیات کی نسبت بہت محدود ہے، اس لیے یہ ہر دائرے میں اپنا مکمل اثر دکھانے سے عاجز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج عورت سب سے زیادہ غیر محفوظ بھی اسی معاشرے میں ہے۔ ہراسیت، ریپ اور گھریلو تشدد پر خود امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی رپورٹیں لرزا دینے والی ہیں۔ کم عمر بن بیاہی ماؤں کی کثرت ہے جو اپنے ساتھ اپنے بچے کا بوجھ بھی ڈھوتی ہیں۔ رویوں کی اصلاح میں خوفِ خدا کے تصور کا چونکہ کہیں گزر نہیں، اس لیے شدید خواہش کے آگے بند باندھنے یا حیوانی فطرت کا راستہ روکنے میں قانون بے بس دکھائی دیتا ہے۔ مذہب کے کردار کو تو اہلِ مغرب نے بہت پہلے لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا تھا۔ اب تو خود ہی ٹھوکریں کھاتے ہوئے سیدھے راستے تک پہنچنا ہے، چاہے صدیاں اور لگ جائیں!

اس قیام کے دوران چند لوگ جن سے مختصر ملاقات ہوئی مگر وہ یادداشت کا حصہ بن گئے۔ چرچ سنٹر میں ملنے والی گرے بالوں والی باوقار سی نیویارک کی سفید فام خاتون ڈورس کیلی، ایک عمر امریکی اداروں میں پبلک پالیسی پڑھاتی رہی تھی اور اب اپنے معاشرے میں استاد کے احترام کی قدر زوال پذیر ہونے پر دکھی تھی۔ تعارف کے بعد اس نے بڑی گرمجوشی سے میرا ہاتھ تھام لیا، گہری نگاہوں سے کچھ دیر دیکھتی رہی، پھر شکستہ لہجے میں بولی ''میں بے حد شرمندہ ہوں۔۔۔ اس سلوک پر جو میرا ملک تمھارے ملک کے ساتھ کر رہا ہے''۔ اس کے لہجے کے دکھ نے مجھے کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا۔ بس اس کے ساتھ ایک تصویر بنوائی اور اس کی اس جرأتِ اظہار کو ایک تحفہ سمجھا۔

ٹوڈ گٹلن، کولمبیا یونیورسٹی کے سکول آف جرنلزم میں پی ایچ ڈی پروگرام کا سربراہ۔ یہ ڈیپارٹمنٹ میرے روزانہ کے راستے میں پڑتا تھا۔ میں فیلوشپ پروگرام کے امکانات جاننا چاہتی تھی۔ ویب سائٹ سے ایڈریس دیکھ کر ای میل کیا کہ میں پاکستان سے آئی ہوں اور اس غرض سے ملنا چاہتی ہوں۔ اس نے فوراً اگلے دن کا وقت دے دیا اور آفس سمجھا دیا۔ میں نے اس خیال سے کہ اتنا سینئر پروفیسر ہے، دوبارہ پوچھا کہ آپ کے دفتر تک پہنچنے کے لیے کوئی تکلفات جو پورے کرنے ضروری ہوں۔ جواب آیا کہ نہیں بس آجاؤ۔ میں وقت سے پانچ منٹ پہلے پہنچ گئی اور ہر طرف کھلے دروازوں سے ہوتی ہوئی سیدھی دفتر تک چلی آئی۔ انتظار گاہ میں چند منٹ گزرے ہوں گے کہ پورے وقت پر پروفیسر پہنچ گئے۔ تسلی سے بیٹھے، گپ شپ لگائی، نیویارک کے بارے میں رائے پوچھی، میرے سب سوالوں کے جواب دیے اور جب میں نے خود اجازت چاہی تب اٹھ کر کھڑے ہوئے۔ اس دوران دروازے پر آکر کسی نے مداخلت کی تو ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ ایک سینئر استاد کے احساسِ ذمہ داری، آسان رسائی اور پابندیِ وقت نے مجھ پر گہرا تاثر چھوڑا اور اپنے ہاں تعلیمی ماحول کے بہت سے

پہلوؤں پر شرمندہ بھی کیا۔

امپائر سٹیٹ کے سیکنڈ فلور پر ٹکٹ کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی لڑا جس کا تعلق افریقی ملک گیانا سے تھا مگر جو برسوں پہلے نیو یارک آ کر بس گئی تھی۔ ٹکٹ کی قیمت اچھی خاصی تھی، سن کر میں نے کہا، یو این کانفرنس ڈیلی گیٹ کے لیے کوئی خصوصی رعایت؟ وہ مسکرا کر بولی، میم! میرے بس میں ہوتا تو ضرور کر دیتی۔ پھر پوچھنے لگی، کل کچھ اور خواتین بھی وہاں سے آئی تھیں، یہ کیسی کانفرنس ہے؟ وہ دلچسپی رکھتی تھی، مزید سوالات پوچھنے لگی۔ ان دنوں پاکستان کے بارے میں ایک خبر گردش میں تھی۔ میں نے کہا، بدقسمتی سے بین الاقوامی میڈیا پاکستان کے بارے میں ہمیشہ منفی خبریں ہی نمایاں کرتا ہے۔ عورتوں کے حقوق کی جدوجہد بہت اچھی بات ہے مگر آپ نیو یارک میں بیٹھ کر پاکستانی عورت کا غم نہیں کھا سکتے جب تک آپ ہمارے ماحول کے مسائل کو نہ جان لیں۔ وہ خود یہی محسوس کرتی تھی اس لیے میرے موقف پر بہت خوش ہوئی۔ پھر بادلوں کی وجہ سے اوپر جانا تو ممکن نہ ہوا، میں نے کہا، لڑا! میں شاید اتنی سیڑھیاں چڑھ کر یہاں تک صرف اس لیے پہنچی تھی کہ تم سے بات چیت کر سکوں۔ وہ بھی ہنس دی اور میں واپسی کے راستے کی بھول بھلیوں میں گھس گئی۔

یان یو، وہ پیاری سی چینی لڑکی جس کے ساتھ میں ایک رات سٹیشن سے وٹیئر ہال اپنے ٹھکانے تک چلی تھی۔ مووی سکریننگ سیشن کے بعد میں آج خاصی تاخیر سے نکلی تھی۔ ریڈ وَن اس رات کولمبیا پر رکی ہی نہیں۔ میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔ مین ہیٹن کے کنارے پر واقع اس علاقے سے کچھ ہی آگے برونکس شروع ہو جاتا ہے جو جرائم کی شہرت رکھتا ہے۔ اگلے سٹیشن پر اتر کر پیدل واپسی کا سفر شروع کیا جبکہ رات گہری ہو گئی تھی، بارش تھی اور سڑکیں ویران۔ میرے ساتھ ہی یہ چینی لڑکی اتری تھی، کولمبیا کی سٹوڈنٹ اور اتفاق سے ہوسٹل بھی میرے ٹھکانے کی طرف۔ اب سوچ کر حیران ہوتی ہوں کہ اس سفر کی ایک پلاننگ تو میں نے کر رکھی تھی اپنے مادی سہاروں کو استعمال کر کے۔۔۔ جہاں جہاں اس میں جھول تھے، بے یقینیاں تھیں، رکاوٹیں تھیں۔۔۔ وہاں وہاں کی ایک تفصیلی پلاننگ اللہ میاں نے میرے لیے کر رکھی تھی۔ سو اُس رات میرے لیے اس لڑکی کے ساتھ کا بندوبست تھا۔ چالیس منٹ کا سارا راستہ ہم باتیں کرتے آئے اور فاصلے کا پتہ بھی نہ چلا۔

اپارٹمنٹ میں میں ''نیڈاز فرینڈ'' کہلاتی تھی۔ ہر لڑکی کے آنے جانے، کھانے پینے کا اپنا اپنا وقت تھا اس لیے ہڑبونگ کا منظر کسی وقت بھی نہ ہوتا۔ ندا کی روم میٹس میں سب سے خوش اخلاق اور مہمان نواز وہ چینی لڑکی تھی جس کا اصل نام تو مشکل سا تھا مگر خود کو جولیا کہلواتی تھی۔ بہت سے چینی بچوں کی طرح ماں باپ کی اکلوتی اولاد اور اپنے ملک کی ایک خاندان ایک بچہ کی پالیسی سے تنگ۔۔۔ مگر پُرامید کہ یہ پالیسی نرم ہو جائے گی۔ پہلے دن صبح مجھے چائے ''زہر مار'' کرتے دیکھ کر خاصی پریشانی سے پوچھنے لگی، آپ کے پاس ناشتے کے لیے کچھ ہے؟ میرے پاس جو تھا اسے دکھا دیا اور یوں اس سے دوستی ہو گئی۔ یو این سوونیئر شاپ سے اس کے لیے کچھ لینا چاہا، ایسا جس پر ''میڈ ان چائنا'' نہ لکھا ہو مگر خاصی تلاش کے باوجود ناکامی ہوئی، سو اسی کے ملک کا بنا ہوا قلم اس کو تحفے میں دیا۔ میں ایک دن تھکی ہاری واپس پہنچی تو دروازہ بند تھا۔ نیچے لابی میں بیٹھ کر اس کو فون کیا۔ کہیں بازار میں تھی، کچھ دیر بعد ہانپتی ہوئی لفافے اٹھائے واپس پہنچی اور میرا داخل ہونا ممکن کیا۔ آخری دن ندا نہیں تھی، وہ میرا بیگ گھسیٹتی ہوئی نیچے تک میرے ساتھ آئی اور گلے لگ کر رخصت کیا۔ پردیس میں کسی اجنبی سے اتنی اپنائیت مل جانا بغیر

کسی غرض کے، بہت اچھا لگا۔ جولیا ڈیئر! جہاں رہو خوش رہو۔

آخری سیشن:

آخری میٹنگ سیشن کا تجربہ لکھے بغیر یہ داستان ادھوری رہے گی۔ فلسطینی عورتوں کی حالتِ زار اور ان کی مدد کے عنوان سے ایک قرارداد پیش کرنا اس دن کا سب سے اہم نکتہ تھا۔ چین، جی ۷۷ کے ممالک اور ساؤتھ افریقہ کی طرف سے لائی گئی اس قرارداد کے متن میں اسرائیل کو فلسطینی عورتوں کے تمام مسائل کی جڑ قرار دیا گیا تھا۔ متن پڑھا جانے کے بعد اس پر اظہارِ خیال کی دعوت دی گئی۔ یورپی یونین کی طرف سے ولندیزی نمائندہ کا خیال تھا کہ یہ قرارداد کمیشن کی بجائے جنرل اسمبلی کے دائرہ کار سے متعلق ہے لہٰذا وہیں پیش ہونی چاہیئے، اور اسی بنیاد پر اس نے یونین کے رائے شماری سے باہر رہنے کے فیصلے کا اعلان کیا۔ اسرائیل کی مندوب تو جو بھی کہتی کم تھا، بلکہ اس کا انداز اور بعض الفاظ آدابِ سفارتکاری سے میل بھی نہ کھاتے تھے۔ لبِ لباب یہ تھا کہ یہ قرارداد اسرائیل کے خلاف بغض پر مبنی ہے، دراصل فلسطینی عورتوں کے حقوق کے غاصب خود حماس کے لوگ ہیں اور ان کی دہشت گردی ہے۔ رائے شماری ہوئی اور بیالیس میں سے ستائیس ووٹ حق میں لے کر قرارداد منظور ہوگئی۔ مخالفت میں صرف اسرائیل اور امریکہ کے دو عدد ووٹ تھے۔ امریکی مندوب نے اسے اسرائیل کو تنہا کرنے کی کوشش قرار دیتے ہوئے قرارداد کی مخالفت میں رائے دینے کا دفاع کیا۔ جاپان کے نزدیک متن غیر متوازن تھا لہٰذا اس نے ووٹ سے پرہیز کیا۔ فلسطینی مندوب نے ایوان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے جامع خطاب کیا، اسرائیلی جارحیت کی پانچ دہائیوں میں فلسطینیوں کے ساتھ روا رکھے گئے غیر انسانی اور اہانت آمیز سلوک کا مختصر تذکرہ کیا، فلسطین کی محصور آبادی کے خلاف اسرائیل کے سنگین جنگی جرائم پر بات کی اور کہا کہ فلسطینی عورتیں کیسے اپنے حقوق پا سکتی ہیں جبکہ اسرائیل ایک قوم کی آزادی کا حق غصب کیے بیٹھا ہے، نیتن یاہو کے تازہ بیان کا حوالہ دیا کہ فلسطین نامی ریاست کا وجود ہی ناقابلِ برداشت ہے۔ ایران کی مندوب نے اپنی تقریر میں کہا کہ دنیا میں عورتوں کے حقوق کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ غیر ملکی غاصبانہ تسلط ہے جو عورتوں کی زندگی سے سکون اور چین رخصت کر دیتا ہے۔ جب تک دنیا میں بدامنی، استعمار کی مسلط کردہ جنگیں اور ملکوں کی خودمختاری پر حملے نہیں ختم ہوں گے، عورتیں ظلم سے نجات کی کوئی ضمانت نہیں پا سکتیں۔

عورت اور مسلح تصادم اس ایکشن پلان کے بنیادی نکات میں شامل ہے۔ کئی مین سیشن اور سائڈ ایونٹ اس حوالے سے ہوئے۔ تنازعات، جنگوں اور غیر ملکی تسلط میں عورتیں اور بچے جو کچھ سہتے ہیں، آج کی مہذب دنیا میں یہ سب ہوتا دیکھ کر روح لرز جاتی ہے۔ مگر گزشتہ بیس برسوں میں حالات بہتر تو کیا ہوتے، سفاکیت اور درندگی کے نئے ریکارڈ قائم ہوئے۔ خود عورت کو براہِ راست ظلم کا نشانہ بنایا جائے، اس کے بچوں پر ظلم کیا جائے یا اس کے شوہر اور دیگر کفیل مردوں کو مارا یا گرفتار کیا جائے، یہ سب عورت ہی پر ظلم کی شکلیں ہیں۔ عورت کے حقوق دلوانے پر غور و فکر کرنے والا یہ تمام پروگرام حسبِ سابق اور حسبِ توقع کشمیری عورت کے محض تذکرے سے بھی محروم رہا، جہاں بنتِ حوا محض اپنے حق خودارادی کے تقاضے کی پاداش میں ہزاروں کی تعداد میں بے عصمت ہوئی ہے۔ پاکستان میں انہیں صرف ملالہ نظر آئی۔ کمیشن (CSW) کے رہنما اصولوں میں پہلا اصول یہ ہے کہ زبان، رنگ و نسل اور مذہب سے بالاتر ہو کر دنیا بھر میں عورتوں کی بہتری کے لیے کام کیا جائے گا۔ جبکہ صورتحال یہ ہے کہ عالمی طاقتوں کے سیاسی مفادات سے ہٹ کر شاید ہی اس فورم پر کوئی فیصلے ہوئے ہوں۔

صبح تک دھوپ چمک رہی تھی، اب واپسی کا قصد کیا تو کیا دیکھتی ہوں کہ لابی کے شیشوں سے باہر دور تک برف کے نرم گالے گر رہے ہیں۔ کہاں تو نیویارک والے بیچارے آمد بہار کی تیاریاں مکمل کر چکے تھے، یہاں تک کہ گرم کپڑوں کی سیلیں بھی ختم ہو چکی تھیں، اور آج پھر برف پڑ گئی۔ جیسے ہمارے ہاں گرمی جان ہی نہیں چھوڑتی، پلٹ پلٹ کر حملہ کرتی ہے، اسی طرح وہاں سردی کا موسم عزت سے جانے کو تیار نہیں ہوتا۔ میں مبہوت سی ہو کر دیکھتی رہی۔ پھر ہمت کر کے باہر قدم رکھے، گیٹ پر پہنچ کر مڑی، عمارت پر چند لمحے طویل ایک الوداعی نظر ڈالی اور پھر اپنے راستے پر چل دی۔ یاسمین کا فون آ گیا تھا کہ مین ہیٹن کی طرف آنے والی شاہراہیں برفباری کے باعث بند کر دی گئی ہیں، لہٰذا اب وہ آج مجھے لینے کی بجائے کل ائرپورٹ چھوڑنے کے لیے ہی آ سکیں گے۔ میرے ان میزبانوں نے مجھے نیویارک میں اجنبیت کا احساس نہ ہونے دیا تھا۔ آج ٹائم سکوئر پر اتر کر بچوں کے لیے کچھ شاپنگ کا ارادہ تھا۔ برف باری میں اب بارش بھی شامل ہو گئی تھی، اوپر سے میری ناک اور آنکھوں سے بھی مسلسل پانی بہہ رہا تھا اور ٹھنڈک سے بچنے کے لیے میں نے منہ پر تولیہ لپیٹ رکھا تھا۔ اسی ہیئت کذائی میں چند دکانیں پھریں، واپس پہنچ کر پیکنگ مکمل کی، مٹھی بھر کر دوائیاں کھائیں اور بے سدھ ہو گئی۔

صبح اٹھ کر کھڑکی سے باہر دیکھا تو ہر چیز نے برف کی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ نیچے ایپل ٹری مارکیٹ کی چھت برف کے بوجھ سے دبی پڑی تھی۔ رات بھر اتنی برفباری ہوئی تھی کہ درختوں کی برہنہ شاخوں پر بھی برف کی موٹی تہہ تھی۔ گھر واپسی کی خوشی میں آج ایک عجیب سی اداسی شامل ہو گئی تھی۔ یہ آخری دن میں نے زیادہ تر وقت کھڑکی سے باہر نیچے دیکھتے ہوئے گزارا۔ امریکہ کے ساتھ ہم پاکستانیوں کا بھی عجب تعلق ہے۔ ہر بات کا الزام امریکہ پر بھی اور امریکی ویزے کے لیے بیتابی بھی۔ اسی لیے ان کی ویزا دینے کی ساری کارروائی یک نکاتی ہوتی ہے۔۔۔ یہ یقین حاصل کرنا کہ جانے والا واپس آئے گا یا نہیں۔ جہاں ذرا شک پڑا، صاف انکار کر دیا۔ اس کے باوجود انسانی حقوق، آزادی، ڈالروں اور کمرشل ازم کا یہ پائڈ پائپر ہر سال ہمارے کتنے ہی ذہین نوجوان اپنے پیچھے لگائے خوابوں کی اس سرزمین میں کھو جاتا ہے اور ہم ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں۔۔۔ جانے والوں پر، اور یہاں رہ جانے والوں کی ''بے وقار آزادی'' پر!!

تو مجھ کو چاہتا ہے اس مغالطے میں رہوں
کبھی کرم بھی کیا کر کہ آسرے میں رہوں
وہ جو مقام ہے تیرا مری کہانی میں
اسی مقام پہ میں تیرے تذکرے میں رہوں

ائیرپورٹ سے گھر تک لاہور کی کشادہ سڑکوں پر جھکا ہوا تاروں بھرا آسمان خود بخود دور تک نظر آ رہا تھا۔ پیلی روشنیوں میں سڑکوں کے بیچ بچھی ہوئی سبز گھاس اور زیادہ تر و تازہ لگ رہی تھی، خالی سڑکوں پر اس وقت صرف روشنی میں بھیگے ہوئے پھولوں کے قطعے تھے۔ بے چاند کی اس رات کے آخری پہر جب میں گھر میں داخل ہوئی تو وہ تاریک گھنٹہ چل رہا تھا جو ہر گھنٹے کے بعد آتا ہے اور سالہا سال سے ہماری قسمت بن گیا ہے۔ آج پہلی بار یہ گھنٹہ برا نہیں لگا۔

☆.....☆.....☆

CSW 2018

The sixty-second session of the Commission on the Status of Women took place at the United Nations Headquarters in New York from 12to 23March 2018.

Representatives of Member States, UN entities, and ECOSOC-accredited non-governmental organizations(NGOs) from all regions of the world attended the session.

Download the CSW62Brochure for more information:

Arabic–English–French–Spanish

Themes

Priority theme:

Challenges and opportunities in achieving gender equality and the empowerment of rural women and girls

Review theme:

Participation in and access of women to the media, and information and communications technologies and their impact on and use as an instrument for the advancement and empowerment of women agreed conclusions of the forty-seventh sessio.

☆.....☆.....☆

خواتین، معاشرہ اور اقوام متحدہ کے پروگرام

ڈاکٹر رخسانہ جبین

تقریباً ایک صدی قبل شروع ہونے والی حقوق نسواں کی تحریکیں آج بہت بلند ہو چکی ہیں۔ حکومتیں بڑی حد تک ان سے وابستہ این جی اوز کی پابند ہو چکی ہیں۔ پارلیمنٹ سے لے کر تعلیمی اداروں اور کارپوریٹ سینٹر تک ان کی سفارشات قانون بن کر نافذ ہو رہی ہیں۔ ان تحریکوں کے نتیجے میں نہ صرف خواتین کے حقوق کے بارے میں آگہی میں اضافہ ہوا ہے بلکہ سیڈا (CEDAW) کے کنونشن کے تحت حکومتیں کئی ایک اقدامات کرنے کی پابندی ہو چکی ہیں۔ بے شک کئی مثبت قوانین بھی بنے ہیں لیکن یہ دیکھا ہوگا کہ ان تحریکوں کے مسلم معاشروں پر اثرات کس نوعیت کے ہیں۔ گھر اور خاندان کیسے متاثر ہوتے ہیں؟ ملکوں کی مجموعی معیشت پر یہ کس طرح اثر انداز ہوئی ہیں؟ تہذیب اسلامی کو انہوں نے کس طرح متاثر کیا ہے؟ مسلم ممالک کے باشعور طبقے اور سوچ بچار کرنے والے اداروں کو اعداد و شمار کے ساتھ یہ جائزے مرتب کرنے چاہیں۔ اسکا یہ مطلب نہیں کہ تمام اثرات کو منفی انداز میں دیکھا جائے لیکن ایک حقیقت پسندانہ جائزہ ضروری ہے۔ CSW ہو یا CSW) Convention for Elimination of all kinds of Discrimination Against Women) CSW) Commission on the status of women) ان سب کا مرکز و منبع اقوام متحدہ (UNO) ہے۔ جہاں نہ صرف یہ قوانین بنتے ہیں بلکہ ان کی مکمل تفہیم اور بریفنگ کے لیے کئی کئی روزہ کانفرنسیں منعقد کی جاتی ہیں۔ طویل بحث، مباحثے ہوتے ہیں۔ الفاظ کا محتاط شاطرانہ چناؤ کیا جاتا ہے عموماً (Sugar Coated) اصلاحات استعمال کی جاتی ہیں۔ اہداف (Goals) مقرر کیے جاتے ہیں۔ ان اہداف پر عملدرآمد کے لیے نقشہ گری کی جاتی ہے، اس کے بعد این جی اوز کے ذریعے مقتدر طبقے میں بھرپور لابنگ کی جاتی ہے اور ان اہداف کے حصول کے لیے قانون سازی کی خاطر ذہن سازی کی جاتی ہے۔ بلاشبہ اس سارے عمل پر اربوں کا خرچ ہوتا ہے جو کہ فراہم کیا جاتا ہے۔ شرکاء کو مہنگے (5 سٹار) ہوٹلوں میں کئی کئی دن ٹھہرایا جاتا ہے۔ جانے اور آنے کا کرایہ کھلے دل سے دیا جاتا ہے اور مرضی کی قانون سازی کے لیے راستہ ہموار کیا جاتا ہے۔ عالمی مالیاتی اداروں (حکومتیں جن کی مقروض ہوتی ہیں) کے ذریعے قرضوں کو بعض طریقوں سے ان قوانین پر عملدرآمد کے ساتھ مشروط کیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ میڈیا کا بھرپور انداز میں استعمال کیا جاتا ہے اور مقاصد کو پرکشش (گلیمرائز) انداز میں اس طرح پیش کیا جاتا ہے تاکہ وہ عامتہ الناس کی زبان بھی بن جائیں اور مطالبہ بھی۔ کارپوریٹ اداروں کے ذریعے انکی عملی شکلیں پیش کی جاتی ہیں (مثلاً جس کے نتیجے میں آج عورت نہ صرف ہر مال پر سیلز گرل بن کے کھڑی ہے بلکہ فاسٹ فوڈ کو گھر پہنچانے کے لیے موٹر سائیکل رائیڈر بھی بن گئی ہے اور اسے فخریہ انداز میں یہ کہہ کر پیش کیا جاتا ہے کہ یہ ہم نے عورت کی معاشی برتری (Women empowerment) کے سلسلے میں سب سے

پہلے عملی قدم اٹھایا ہے) حکومتیں اور این جی اوز ان عملی اقدامات کی رپورٹ تیار کرنے کی پابندی ہوتی ہیں اور یہ رپورٹ سالانہ بنیادوں پر اقوام متحدہ کے متعلقہ اجلاس میں پیش کی جاتی ہے۔ اقوام متحدہ کے ان اجلاس میں انکی رجسٹرڈ این جی اوز ہی شامل ہوسکتی ہیں۔ عموماً یہ کانفرنس کئی کئی دن پر محیط ہوتی ہے، لوگ شامل ہوتے ہیں اور اپنی سابقہ کارکردگی پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اگلے سال کے اہداف کے لیے بریفنگ بھی حاصل کرتے ہیں۔ مسلم ممالک کی اکثر حکومتیں ان قوانین کی پابندی قبول کر چکی ہیں (معاہدے کر چکی ہیں) اور متعلقہ این جی اوز کو ہر طرح سے سہولت کاری مہیا کرنے کی پابند ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تحریکوں سے وابستہ خواتین کے متعلق این جی اوز بھی ان پروگراموں سے آگاہی رکھتی ہیں، انکا تجزیہ کرتی ہیں اور صحیح اور غلط کو ممیز کرنے میں اپنی ذمہ داری ادا کرتی ہیں۔ انٹرنیشنل مسلم وومن یونین کے تحت پاکستان سے بھی کئی نمائندہ خواتین وقتاً فوقتاً ان کانفرنسوں میں شریک ہوتی ہیں۔ انکے پروگرامز کی آگاہی کے ساتھ ساتھ وہاں خود بھی مثبت سرگرمیوں کے ذریعے لابنگ کی کوشش کرتی ہیں۔

کانفرنس ہال کے اندر داخل ہوئے تو اندر خوب گہما گہمی تھی۔ دنیا بھر سے وفود آئے ہوئے تھے۔ معلوم ہوا کہ تقریباً 4 سے 5 ہزار این جی اوز کے نمائندے شریک ہیں۔ مختلف قسم کے معلوماتی اور تعارفی ڈیسک لگے تھے۔ بائیں جانب نظر اٹھی تو ٹھٹھک کر پلٹ آئی۔ ایک مادر زاد برہنہ مرد کا دیوقامت مجسمہ ایستادہ تھا۔ میرے خدا! اقوام متحدہ استقبالیہ ہال میں یہ مجسمہ لگا کر دنیا کو کیا پیغام دینا چاہتی ہے؟ کیا یہی اس کی دنیا بھر میں پھیلی ہوئی پالیسیوں کا عکس ہے؟

تہہ خانے (Basement) میں کیفے ٹیریا کی رونق تھی۔ ہمیں بھی تھکن نے گھیر رکھا تھا، سوچا کہ چائے پیئیں۔ چائے کے سٹال کی جانب جاتے ہوئے دیکھا کہ خواتین ایک جگہ رک رک کر تصاویر لے رہی ہیں۔

غور کیا تو پتا چلا کہ محترمہ ملالہ یوسف زئی کا ایک قول کتبے کی صورت میں کندہ ہے اور لوگ اسے محفوظ کر رہے ہیں۔

اگلی منزل پر گئے تو لابی میں پاکستان کی کچھ مشہور خواتین کی تصاویر لگی تھیں۔ ایک جانب عاصمہ جہانگیر اور بے نظیر کی تصاویر تھیں۔ دوسری جانب ملالہ یوسف زئی اور محترمہ فاطمہ جناح کو ساتھ ساتھ ایستادہ کیا گیا تھا اور تیسری جگہ عنوان تھا ''تاریخ رقم کرنے والی خواتین کی استقامت''

No turning back women who made History.

اس کے ذیل میں محترمہ فاطمہ جناح اور بے نظیر، عاصمہ جہانگیر، ملالہ کے ساتھ ساتھ بیگم رانا لیاقت، عابدہ پروین، ڈاکٹر نفیس صادق، حنا ربانی کھر، فہمیدہ مرزا، ملیحہ لودھی اور کچھ دیگر خواتین کے ہمراہ شرمین چنائے کی تصویر بھی شامل تھی۔

ویسے تو خوشی ہو رہی تھی کہ پاکستان کا نام روشن ہو رہا ہے لیکن سوچنے کی بات تھی کہ آخر پوری دنیا میں سے پاکستان پر ہی اتنی مہربانی کیوں؟

آج کا سیشن یہ تھا کہ وہاں دنیا بھر سے آئی ہوئی بااثر خواتین (EmpoweredWomen) کے ساتھ نشستیں تھیں۔ ایک نشست مختلف ممالک کی صدور اور وزراء اعظم کے ساتھ تھی۔ دوسری نشست دوسرے وزراء اور مختلف عہدیدار خواتین کے ساتھ تھیں۔ یہ نشستیں دوپہر تک چلیں۔ جب ہم گئے تو انڈیا کی خاتون بات کر رہی تھی جس کا نام مجھے معلوم نہ ہوسکا۔ جو مختلف خواتین آئی تھیں ان میں نیپال کی صدر، یورپی یونین کی وزراء، کولمبیا کی نائب صدر (Vice

president)،فرانس کی وزیر، اور انکے ساتھ اور بھی بہت سے ممالک کی حکومتی عہدیداران تھیں۔تقریبا تین سیشن ہوئے۔ پہلا سیشن حکمران خواتین کے ساتھ، دوسرا سیشن وزراء کے ساتھ اور تیسرا سیشن معاشرے کی دیگر نمایاں خواتین کے ساتھ تھا جو مختلف عہدوں پر تھیں۔مختلف لوگوں نے مختلف باتیں کیں ۔صدارتیں بھی مختلف لوگوں نے کیں اور پروگرام کروانے والے بھی مختلف لوگ تھے۔ مجھے اس بات کی خوشی ہوئی کہ حکمران خواتین کے لہجے، انداز گفتگو اور جو باتیں انہوں نے کیں وہ توازن سے بہت ہٹی ہوئی نہیں تھیں سوائے چند ایک خواتین کے۔انڈیا کی ایک خاتون نے اسکالر کے قول کا حوالہ دیا اور کہا کہ خواتین کو Push back against the push backs کرنا چاہیے یعنی کوئی آپ کو روکتا ہے تو آپ اسے روک دیں۔مطلب یہ کہ جتنی بھی رکاوٹیں ہیں ان کو دور کریں اور آگے بڑھیں۔اپنے لیے لیڈرشپ اور معاشرے کے اندر نمایاں مقام حاصل کریں۔ایک خاتون جو پروگرام کروا رہی تھیں انہوں نے اس بات کو بہت اہمیت دی کہ اس وقت بہت سی خواتین لیڈرز ہیں، Astronauts ہیں، پارلیمنٹرینز ہیں، صدور بھی ہیں، جنرل سیکرٹریز بھی ہیں، CSW کی چیئر پرسن بھی خاتون ہیں۔ یہ ثابت کرتا ہے کہ بہت سی تبدیلی آچکی ہے۔انہوں نے یہ بات بتائی کہ دس ممالک ایسے ہیں کہ جہاں پر انہوں نے مکمل طور پر جنسی برابری (Gender Equality) حاصل کر لی ہے۔(ان دس ممالک کے نام اگرچہ انہوں نے نہیں بتائے)ایک شخص جو پروگرام conduct کروا رہا تھا، اسکا نام رچرڈ لی (Richard lee) تھا، اس نے کہا کہ میری عمر 5 سال ہے۔میں اپنی عمر کا حساب اس دن سے لگاتا ہوں جس دن میں جدید تحریک نسواں میں شامل ہوا تھا یعنی Feminist ہوا تھا۔ نیپال کی صدر بندیا دیوی بھنڈاری نے کہا ہم (یعنی عورتیں) فیصلہ سازی (Decision making) کی پوزیشن میں ہیں۔یورپی یونین کی خاتون نے ایک جملہ بولا:

"I don't say better than he but as he can do you can do it".

اس بات کا اعتراف کیا کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم مردوں سے بہتر ہیں لیکن جو کچھ مرد کر سکتا ہے وہ ہم بھی کر سکتے ہیں لہذا پالیسی میکنگ میں زیادہ سے زیادہ خواتین آئیں۔ پھر یہیں ایک خاتون نے بہت اچھی بات کہی

If I win doesn't mean you lose کہ اگر عورت آگے آتی ہے تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ مرد پیچھے رہ رہا ہے یعنی یہ کوئی مقابلے کی بات نہیں ہے۔ اس طرح کے اچھے جملے بھی بولے گئے۔گویا تمام لوگ انتہا پسند نہیں ہیں بلکہ ان میں توازن رکھنے والے لوگ بھی موجود ہیں۔ پھر اس پر بہت زور دیا گیا کہ خواتین کے لیے ہر میدان میں کوٹہ مخصوص کیا جائے۔اگر آپ صرف صلاحیتوں (Skills) کی بات کریں گے تو مطلب یہ ہوگا کہ صرف مرد کی بات ہے(کیا یہ اعتراف ہے کہ صلاحتیں مرد میں زیادہ ہوتی ہیں؟) یعنی صنف کی بنیاد پر کوٹہ ہو، صلاحیت کی بنیاد پر نہیں۔ چند باتیں جو انکی رپورٹوں میں دلچسپ لگیں۔گوئٹے مالا کے وزیر نے یہ بات کہی کہ ہماری 70 فیصد آبادی 29 سال سے کم عمر ہے۔یہ بھی کہا کہ ہم گوئٹے مالا میں Gender Equality کی نہیں بلکہ Gender Equity کی بات بھی کرتے ہیں کہ صرف برابری نہیں بلکہ توازن کی بات بھی کرتے ہیں۔تیونس کی رپورٹ میں انہوں نے بتایا کہ اب تک ہم خواتین کے 30 پراجیکٹس کر چکے ہیں۔ہم ہر گاؤں میں خواتین کو معاشی حقوق (Economic Rights) دیتے ہیں۔ ہر دیہات تک ہم نے ٹیکنالوجی بھی پہنچائی ہے۔

زچگی کی چھٹی کی بھی بات کی کہ ہم یہ چھٹی ماں اور باپ دونوں کو دیتے ہیں۔ کچھ اعداد وشمار بھی پیش کیے گئے۔

انہوں نے انکشاف کیا کہ خواتین کو حقوق دینے کے معاملے میں ہم دنیا میں انیسویں نمبر پر ہیں۔ 2030ء تک ہم خواتین کے خلاف تشدد Violence (against women) پر قابو پالیں گے۔ مالدیپ نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ 12 سال تک ہم اپنے ملک میں مفت تعلیم دیتے ہیں اور 1968ء میں مالدیپ میں ماؤں کی شرح اموات (Maternal mortality rate 186.4 (فی ہزار (per thousand) تھا اور اب 2017ء میں 6.8 فی ہزار ہو چکا ہے۔ ظاہر ہے یہ بہت اچھی رپورٹ تھی۔ (اگر واقعی ایسا ہے) انہوں نے کہا کہ مالدیپ میں 25% وزارتیں خواتین کے پاس ہیں اور Labour force میں 37% خواتین ہیں۔ (یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ لیبر فورس میں اتنی زیادہ خواتین ڈال کر یہ قومیں کیا حاصل کریں گی) یہاں ایک کہاوت یاد آتی ہے کہ کسی شخص نے گائے کو ہل میں جوت رکھا تھا اور بیل درخت کے نیچے آرام کر رہا تھا تو کوئی دوسرا پاس سے گزرا تو اس نے کہا کہ بھائی یہ کیا کر رہے ہو تم نے گائے کو جوتا ہوا ہے۔ تو اس نے جواب دیا کہ یہ بہت شور مچاتی تھی کہ میرے حقوق اس کے برابر کرو۔ میں نے اس کو جوتا ہے تو بہت خوش ہے۔ اس نے پوچھا : بیل کیا کرتا ہے؟ کہا کہ بیل تو درخت کے نیچے بیٹھ کر آرام کرتا ہے اور اس کے حقوق کے لیے مزید آواز اٹھاتا ہے۔ تو یہاں بھی فخر سے بتایا جا رہا ہے کہ لیبر فورس میں 37% خواتین ہیں یعنی وہ اینٹیں بھی اٹھاتی ہوں گی، سڑکیں بھی بناتی ہوں گی اور نا معلوم کیا کیا لیبر فورس کے کام کرتی ہوں گی اور کن حالات میں ہوں لیکن اس پر کوئی آواز اٹھانے والا نہ تھا۔ ایک بات انہوں نے اچھی کہی کہ کام کرنے والی ماؤں کو ہم چھ ماہ کی زچگی کی چھٹی، بمعہ تنخواہ دیتے ہیں۔ گویا اس طرح کچھ اچھی چیزیں بھی لوگوں کی طرف سے آئیں۔ ایسے ایسے ممالک کی رپورٹس تھیں جن کا نام بھی ہم نے شاید پہلی دفعہ سنے۔ سب نام سمجھ بھی نہیں آ رہے تھے اور لکھے بھی نہیں جا رہے تھے۔ مراکو کی خاتون آئیں اور انہوں نے درود شریف سے آغاز کیا۔ بہت ہی اچھا لگا۔ فلسطین کی خاتون نے بتایا کہ فلسطین کی 70% آبادی خوراک کی کمی کا شکار ہے ہم اپنے اہداف کیسے پورے کریں۔

اقوام متحدہ کے اپنے آفیشل پروگرام کے علاوہ دیگر این جی اوز بھی اپنے اپنے طور پر پروگرام کرتی ہیں۔ ان میں سے کچھ پروگرام تو وہ اپنے طور پر کر رہے ہوتے ہیں، کچھ یو این او کے مختلف اداروں کے تحت ہوتے ہیں۔ جو پروگرام ان کی آشیر باد اور تعاون سے ہو رہے ہیں وہ اقوام متحدہ کے ویب ٹی وی پر براہ راست بھی نشر ہو رہے ہیں۔ ان سب کو Side Events کہا جاتا ہے۔

اس مرتبہ زیادہ تر پروگرام **''عورت کے معاشرتی تحفظ اور معاشی خودمختاری''** اور **"صنفی برابری"** کے موضوع پر ہی تھے۔ (Social protection and economic empowerment) لیکن ساتھ ہی تیسرا اہم عنوان جنسی تشدد اور اس کی روک تھام تھا۔ اس کے تحت بھی متعدد پروگرام ہو رہے تھے۔ زیادہ تر غیر حکومتی تنظیمی این جی اوز اپنے اپنے ممالک یا علاقہ جات کے بارے میں پروگرام کر رہی تھیں لیکن اقوام متحدہ کے مختلف اداروں یا یورپ اور امریکہ کے مختلف اداروں کی زیادہ مہربانی عرب یا افریقہ کے ممالک پر زیادہ تھی۔ ہم ان کمروں کی طرف گئے جہاں مختلف پروگرام ہو رہے تھے۔ کمرے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے کیونکہ ابتدائی دن تھے۔ ایک جگہ Dawn (Disable women network) کا پروگرام ہو

رہا تھا۔اس میں انڈیا کی خاتون تھی جو کہ خود بھی معذور تھی۔اس کے علاوہ کچھ دوسرے ممالک کی خواتین بھی شامل تھیں جو اپنے اپنے ممالک کے بارے میں بتا رہی تھیں کہ وہاں پر معذور لوگوں کا کیا حال ہے لیکن زیادہ تر پروگراموں کے عنوانات وہی تھے جو یو این کے اجلاس کا مرکزی خیال تھا یعنی خواتین کا سماجی تحفظ اور معاشی خودمختاری۔

ایک پروگرام ''نقد رقم کی منتقلی سے خواتین کی زندگیاں بدلنا'' Changing women lives through cash transfer'' تھا۔نقد رقم کی منتقلی سے عورتوں کی زندگی کیسے بدلے گی؟ ہمیں اس کی بہت زیادہ سمجھ تو نہیں آئی کیونکہ یہ کچھ اپنی زبان میں اور کچھ انگلش میں کر رہے تھے لیکن ہم اس کے عنوان کو دیکھ کر اندر داخل ہوئے تھے کہ بھلا اس میں کیا ہے۔اس میں ان کی فلم انڈسٹری کی خواتین تھیں اور میڈیا کے ذریعے زندگیاں بدلنے پر بات کر رہے تھے لیکن اس میں جو بات اچھی لگی وہ یہ تھی کہ یہ بہت ہی منظم پروگرام تھا اور ان کے تمام منتظمین نے تقریباً ایک جیسا لباس پہن رکھا تھا، ان کی ٹوپیاں بھی ایک طرح کی تھیں۔ہر آنے والے کو خوش آمدید بھی کر رہے تھے۔

واپسی پر دوبارہ کانفرنس میں آئے۔مین ہال میں ایک پروگرام ہو رہا تھا۔یہ پروگرام یو این کو کے سیکٹری جنرل انٹونیو گوٹرس (Antonio Guterres) کے ساتھ سوال جواب کا سیشن تھا۔لوگ اپنے مسائل رکھ رہے تھے، ان سے بہت زیادہ سوال کیے جا رہے تھے اور وہ جواب دے رہے تھے۔یہ اوپن سیشن تھا اور اس سیشن میں دلچسپ بات یہ ہوئی کہ طاقتور خواتین کے خلاف بھی لوگ شکایات لگا رہے تھے۔بنگلہ دیش کے ایک صاحب نے یہ بات رکھی کہ حسینہ واجد، خالدہ ضیاء کے ساتھ برا سلوک کر رہی ہے اور انہیں اتنے عرصے سے قید میں رکھا ہوا ہے، علاج معالجے کی سہولت بھی نہیں مل رہی۔گویا یہ ثابت ہو رہا تھا کہ عورت اگر طاقتور (Empowered) ہے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے گی یا عورتوں کو ان کے حقوق دلوائے گی۔اس سوال سے یہ پتا چل رہا تھا کہ حقوق حاصل کرنے کے طریقے کچھ اور بھی ہو سکتے ہیں اور ہمیں ان پر سوچنا چاہیے۔

عرب کے بارے میں کئی پروگرام تھے مثلاً مشرقی وسطی اور شمالی وسطی افریقہ میں بھی بیشتر مسلم ممالک ہیں مثلاً مصر، لیبیا، مراکش تیونس، الجریا، سوڈان وغیرہ۔

گویا اقوام متحدہ امریکہ اور ان ترقی یافتہ ممالک کے نزدیک مسلمان عورت کو معاشی استحکام حاصل نہیں ہے۔اس کے لیے خصوصی آگاہی اور قانون سازی کی ضرورت ہے۔ان کے خیال میں عورت جب تک خود نہ کمائے وہ مفلس ہے۔انہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مسلمان خواتین کو گھر کی ملکہ اور شہزادیاں بنایا ہے اور اچھے مسلمان گھرانوں کی عورت کوئی نوکری کیے بغیر بھی والدین اور شوہروں کے بنائے ہوئے بہترین گھروں میں تمام سہولیات کے ساتھ رہتی ہیں۔ہاں مسئلہ وہاں ہے جہاں مسلمان خود اسلام پر عمل نہیں کرتے۔بہرحال عرب اور افریقہ پر اقوام متحدہ کی نظر کرم کچھ زیادہ ہے۔

☆ افریقہ کے لیے خاص طور پر (Elmination of female gential mutation by 2030 EFGM) کے بارے میں پروگرام ہو رہے تھے۔افریقہ کے بعض ممالک میں بچیوں کے ختنے کیے جاتے ہیں۔اس کی مذمت میں کئی سالوں سے اقوام متحدہ کی مختلف این جی اوز کے تحت

پروگرام ہورہے ہیں اوراقوام متحدہ کی بلڈنگ کی لابی میں جگہ جگہ اسکی مذمت میں اوراسکےمختلف Cases کے بارے میں پوسٹر لگے ہوئے تھے۔

☆ انٹرنیشنل ایسوسی ایشن فارووومن ججز(AWJ) اورایک تنظیم کے تحت قطر کی وکلاءاورججز کا پروگرام تھا کہ اقوام متحدہ کےعورت کے بارے میں اہداف،شعبہ قانون کی خواتین کیسے حاصل کریں گی۔دیکھا جائے تو ہر پروگرام میں قانون سازی پر زور دیا جارہا تھا کیونکہ قانون سازی کے بعد ساری قوم کواس کی پابندی کرنی پڑتی ہے چاہے کوئی متفق ہو یا نہ ہو۔

☆ سعودی عرب کے تحت اہم پروگرام تھا''قومی پالیسیوں کی تشکیل میں خواتین کےتحقیقاتی ادارے کا کردار''

(Women research center role in forming National Policies)

سعودیہ میں یہ خواتین کی ترقی کے حوالے سے ایک اہم پیش رفت ہےاور یہ اقوامِ متحدہ کے اداروں کی بڑی کامیابی ہے کہ وہ اسلامی ممالک کی حکومتوں کو اپنی مرضی کے ایجنڈے بنانے اورنفاذ کی سطح تک لے آئے ہیں۔

اسی طرح عرب کے بارے میں ایک پروگرام"ESCWA"۔

(Economic and social commission for Western Asia)

لبنانی خواتین کی ایک این جی اواورعرب لیگ کی این جی او کےتعاون سے ہورہا تھا جس کا عنوان:(جزیرہ عرب میں خواتین،امن،تحفظ کے بارے میں قومی منصوبہ عمل)

"Women, peace and security,National action plans in Arab Region"

بہت خوبصورت ناموں سے پروگرام متعارف کرائے جاتے ہیں۔

اسی طرح کے پروگرام UNDPاورافریقی یونین کےتحت ہورہے تھے۔

☆ افغانی خواتین کے لیےچیلنجزاورترقی کےمواقع پربھی ایک ایک پروگرام تھا جوافغانستان اورناروے مل کرکررہے تھے۔

☆ اقوام متحدہ کےنوجوانوں سے متعلق کئی اداروں اورلڑکیوں کے بارے،کئی ورکنگ گروپس کےتحت،مختلف حکومتوں اوراقوام متحدہ کےسنیئر افسران کے ساتھ"Intergeneration Dialogue" کا اہتمام کیا گیا تھااوراسکا عنوان تھا"Take a Hot seat" یہ یواین ویب ٹی وی پر براہِ راست بھی نشر ہورہا تھا۔

اس میں سب کوجانے کی اجازت نہ تھی۔صرف دعوت نامے کے ذریعے سے جاسکتے تھے۔بظاہر یہ نوجوانوں کی ملکی ترقی میں شمولیت لڑکیوں کے معاشی تحفظ جیسے پرکشش عنوانات پرسوال جواب اورڈائیلاگ کی نشست تھی لیکن اس پرSugar Coating کےتحت کیا ہوتا ہے،سب جانتے ہیں۔

☆ ایک نیاعنوان یواین کےفلور پر سننے کوملاجس کےتحت ایک فیئرمنعقدکیا گیا تھا''غیرصنفی زبان وکلام''

"Gender inclusive Language Fair"

اس موضوع کی تفصیل یہ ہے کہ عام استعمال ہونے والی روزمرہ کی زبان سے وہ تمام الفاظ ختم کیے جائیں یا بدلے جائیں جو کسی بھی طرح مرد کی برتری ثابت کرتے ہیں یا کسی جنس کو ظاہر کرتے ہیں مثلاً:

Mankind,Chairman,Man power,Manmade,congress men,Ladies and gentalmen,Girls and guys وغیرہ۔ انکی جگہ غیر جانبدار (Neutral) الفاظ لائے جائیں مثلاً You Guys کے بجائے You all، Chairman کی جگہ Chair اور جہاں یہ الفاظ میسر نہ ہوں Self-inclusive language یعنی صیغہ متکلم استعمال کیا جائے، ہم، سب، ہمارا وغیرہ۔ اس ضمن میں Gender inclusive Charts متعارف کروائے گئے ہیں جو انٹرنیٹ پر بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان چارٹس میں جو کلر سکیم استعمال کی گئی ہے وہ ''ہم جنس پرستوں'' LGBTs کی کلر سکیم ہے۔

گویا اس کے ڈانڈے وہاں جا کر ملتے ہیں کہ خاندان جب عورت اور عورت، مرد اور مرد پر بھی مشتمل ہوگا تو پھر جنسی تفریق کیوں۔ بس سب ایک ہیں، جب اور جیسے چاہیں اپنا خاندان بنا سکتے ہیں۔ عورت اور عورت جا کر بنک سے مرد کے جرثومے حاصل کرلیں اور بچہ پیدا کرلیں۔ مرد + مرد کسی بھی عورت کا رحم (Uterus) کرائے پر حاصل کریں (جوان ممالک میں آسانی سے مل جاتے ہیں) اور اپنے لیے بچے پیدا کرلیں۔ ورنہ بچوں کو گود لینا تو کوئی مسئلہ نہیں۔ خاص طور پر اب تو بہت مہاجر، یتیم اور لاوارث بچے شام، عراق، برما اور دیگر مسلم ممالک سے انسانی ہمدردی کے تحت این جی اوز مغربی ممالک میں منتقل کر رہی ہیں جو ان خاندانوں میں پل رہے ہیں اور بہت سے بچے وہاں رہنے والے مسلمان گھرانوں کے ہیں جنہیں والدین کی طرف سے ذرا بھی ڈانٹ ڈپٹ ہوتی ہے تو چھین کر ایسے لوگوں کو دے دیے جاتے ہیں۔ ناروے کی بہنوں نے ایک مرتبہ بتایا تھا کہ ایک خاندان کے چھ کے چھ بچے ان سے چھین کر دیے جا چکے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

☆ عورت اور صحت کا عنوان:

عورت کی صحت اقوام متحدہ کے تحت این جی اوز کے لیے اہم عنوان ہے۔ اس کے بارے میں پروگرام، بہتر سہولیات کی فراہمی، قانون سازی کے لیے زور دیا جاتا ہے۔ خصوصاً عورت کی کی تولیدی صحت خاص طور پر پیش نظر رہتی ہے۔ زچگی کے وقت شرح اموات کو کم کرنے، دوران حمل عورت کی صحت کی بہتری کے اقدامات پر زور دیا جاتا ہے۔ کئی اچھے پروگرام بھی اس عنوان کے تحت نظر سے گزرے مثلاً Women Network(DAWN) Disabled کے تحت ایک پروگرام میں ہم شامل ہوئے۔ معذور خواتین کا معاشی تحفظ اور معاشی خودمختاری کیسے ہوسکتی ہے۔ مختلف ممالک میں معذور خواتین کے لیے قوانین ہیں۔ ان میں کیسے بہتری آسکتی ہے۔ اس (Sugar Coated) عنوان کے تحت کئی پروگرام مسلسل ہوتے ہیں جن میں خاندانی منصوبہ بندی، اسقاط حمل اور محفوظ قحبہ گری Safe Sex کے موضوع بھی پروگرامز میں شامل تھے۔

☆ ''عورت کی صحت'' کے عنوان کے تحت ایک پروگرام Menstruation as a social protection Issue Improving menstrual health in Africa. کے عنوان پر تھا۔اس عنوان کو دیکھنے کے بعد سمجھ میں آیا کہ پاکستان کے ایک معروف سکول میں لڑکیوں نے جو مظاہرہ کیا تھا وہ انجانے اور ناسمجھی میں نہیں کیا گیا۔سوچنے کی بات ہے کہ آخر عورت کی صحت کا ہر عنوان چورا ہے میں ہی کیوں زیر بحث آئے؟؟

☆ فیملی پلاننگ کی مختلف ایسوسی ایشنز کے تحت پروگرام ہو رہے تھے۔خاص طور پر ''اسقاط حمل'' اور ''عورت کا حق'' کے بارے میں کئی پروگرام تھے مثلاً ایک عنوان تھا اسقاط حمل کے حق میں ہم آواز ''With one voice for the right of abortion'' بس عورت کو ہر وہ حق دیں جس کے تحت وہ خانگی، زچگی، قومیت اور عائلی ذمہ داریوں سے آزاد ہو کر اپنی مرضی کی زندگی گزارے۔اس کے لیے قانون سازی بھی کی جائے۔ہر رکاوٹ کو ختم کیا جائے، ہر مذہبی اور اخلاقی آواز کو دبایا جائے۔اس کا نتیجہ ہے کہ آجکل ہمارے ممالک میں فیملی پلاننگ کے لیے پھر سے دباؤ ڈالا جا رہا ہے اور اس کے لیے بہت سے ایسے طریقے بھی اختیار کیے جا رہے ہیں جو انتہائی مضر صحت بھی ہیں اور مذہبی اور اخلاقی اقدار سے بھی متصادم ہیں۔

''کیا تم نے دیکھا اس شخص کو جس نے اپنی خواہشِ نفس کو خدا بنا لیا ہے۔'' (سورۃ الجاثیہ:23)

دنیا خواہش پرستی کے اردگرد گھوم رہی ہے۔ہر طرح کی آزادیِ نفس، جنسی آزادی، صنفی برابری۔۔۔۔بس انسان اور اسکی خواہشات کی تکمیل۔

اسی طرح ایک اور عنوان عورت کی صحت کے حوالے سے ایڈز میں مبتلا ہم جنس پرست، سیکس ورکرز اور اسی طرح کی دوسری خواتین کے بارے میں تھا کہ معاشرہ ان کو الگ تھلگ کر دیتا ہے۔ان کے تمام حقوق کی نگہداشت اور معاشرتی حقوق حفاظت کے لیے کیا جائے؟ یعنی معاشرے میں ان سب طبقات کو نہ صرف قبول کیا جانا چاہیے بلکہ ان کی ہر طرح کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ادا کی جانی چاہیے اور حکومتوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ انکے لیے قانون سازی کریں۔

قحبہ گری کے بارے میں دو پروگرام تھے۔ایک کا عنون تھا (آیئے قحبہ گری کی بات کریں) Let's talk about sex work گویا عورت کو آزادی دی جائے، اس کی مدد کی جائے کہ وہ گھر سے باہر کتنے مردوں کے کام آسکتی ہے۔اس کام کو کیسے بہتر کر سکتی ہے۔جنسی کاروبار سے کیسے، کتنا زیادہ کما سکتی ہے!! اس کے لیے قانون سازی کی جائے۔

دوسری جانب ایک پروگرام، کم عمری کی شادی کو کیسے روکا جائے (Early forced marriages) کے بارے میں تھا۔یہ درست ہے کہ کوئی بھی مذہب یا معاشرہ بہت چھوٹی عمر کی شادی کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا لیکن یہاں تو ایجنڈا ہی کچھ اور ہے جو تمام عنوانات سے ظاہر ہے۔''طوائف اپنے کام کو کیسے بہتر کر سکتی ہے''، شادی میں بہت جلدی نہ کریں''، ''اسقاط حمل کا حق دیں Right to abortion''، وغیرہ۔گویا آزادی صرف مذہبی اور اخلاقی ضابطوں، خاندان اور گھر کی ذمہ داریوں سے مطلوب ہے۔

صنفی برابری کو پیش نظر رکھ کر تجارت کے اصول:

صنفی برابری کو پیش نظر رکھ کر میڈیا اور ہر شعبہ کے اندر قانون سازی کیے جانے کا مطالبہ۔بجٹ بتاتے ہوئے اس سے بھی آگے بڑھ کر صنفی انصاف پر مبنی

Gender just budgetting کی جائے۔

☆ جائے ملازمت پر تشدد اور عورت کو ہراساں کیا جانا:

Harassment against women ایک مستقل عنوان ہے۔معاشرے کے ہر طبقے کے خلاف، ہر طرح کا تشدد قابل مذمت ہے خصوصا عورت اور بچوں پر تشدد کی کسی صورت حوصلہ افزائی نہیں کی جاسکتی لیکن وہاں عنوان بہت دلچسپ تھے مثلا ''خواتین پارلیمینٹرینز کو ہراساں کیا جانا''

''parliamentarians Harassment against women''

پارلیمنٹ میں پہنچ جانے والی خواتین سے زیادہ با اثر اور Empowered اور کون ہوگا۔۔۔؟لیکن ان کو بھی تشدد اور سراسیمگی کا خوف ہے تو گویا عورت کا اقتدار بھی اس کو تشدد اور سراسیمگی سے بچانے والا نہیں۔پھر وہ کیا عوامل ہونگے جو عورت کو تحفظ اور عزت فراہم کریں گے؟ حیرت ہے اس انسان پر جو پھر بھی اپنے مالک کی طرف نہیں پلٹتا اور اس بات پر غور نہیں کرتا کہ عورت کے لیے اور معاشرے کے ہر فرد کے لیے اس نے کونسے حفاظتی قلعے بنائے ہیں؟ کن عورتوں کو محصنات قرار دیا ہے؟ معاشرتی استحکام کے لیے، معاشرتی قدروں کے لیے اس نے کون سے اصول وضوابط بنائے ہیں کہ ایک عورت کو لمبا سفر (یمن سے سعودی عرب) تن تنہا کرنے کے باوجود کسی سراسیمگی اور عدم تحفظ کے خوف سے نجات کی بشارت دی گئی ہے۔

کاش! آج کا سرکش انسان اس بات کو سمجھ لے کہ کوئی اس کا خالق ہے، مالک ہے، جس نے محفوظ زندگی گزارنے کا ایک ضابطہ بنا کر دیا ہے جو مردوں عورتوں سب کے لیے امن اور سلامتی کا ضامن ہے۔کاش! ہم یہ بہترین دستور زندگی (اسلام) دنیا کی اقوام تک پہنچا سکیں۔

☆ ایک اعلی سطح کا پروگرام جس کا پینل تقریبا سات ممالک (Nordic countries) کے وزراء پر مشتمل تھا۔

(ناروے، سویڈن، فن لینڈ، ڈینمارک، آئس لینڈ: Nordic countries) وغیرہ۔

اسکا عنوان تھا: The Gender effect on leave and care polices, stronger with dads involved.

''دیکھ بھال کی پالیسیوں پر صنفی اثرات باپ کی شمولیت سے زیادہ مضبوط'' بظاہر مقصود یہ تھا زچگی کی چھٹیاں ماں کے ساتھ باپ کو بھی دی جائیں تا کہ دونوں مل کر بچے کی اور ایک دوسرے کی دیکھ بھال کریں۔لیکن تفصیلات میں یہ تھا کہ وزراء کا گروپ یہ وضاحت کرے گا کہ کیا پالیسی ہونی چاہیے کہ مرد بچوں کی دیکھ بھال میں زیادہ ہاتھ بٹا سکیں اور عورت لیبر مارکیٹ میں زیادہ مشغول ہو سکے جس کے نتیجے میں مجموعی طور پر اقتصادی خوش حالی اور معاشرتی فلاح میں بہتری ہو سکے یعنی معاشرے کا پہیہ الٹا گھمانے کی تیاریاں ہیں۔اصل پیراگراف درج ذیل ہے۔

The panel will showcase how social policy can contribute to men's increased involvement in child care and women's increased labour market participation and empowerment that in turn contributes to increased economic prosperity and wellbeing overall.The focus will be on parental leave policies ,particularly paternity leave.

گویا ان ممالک کے وزراء نے اپنے اپنے ملک میں اس پالیسی پر عمل درآمد کی رپورٹس پیش کیں اور اس کے فوائد بتائے۔ غور کریں ان معاشروں کا مستقبل کیا ہوگا جہاں عورتیں مزدوری کریں گی، مرد بچے سنبھالیں گے۔ ان کی نسلوں کا مستقبل کیا ہوگا!

☆ گھروں میں کام کرنے والی خواتین کے معاشی وسماجی تحفظ پر بات کی گئی کہ دنیا بھر میں ان کی اجرتیں کم ہیں۔ اس پر غور کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ (Payed domestic work) پر زور دیا گیا کہ گھریلو خواتین (House wives) کو گھر کے کام کی اجرت دی جائے یعنی گھر کو بھی کاروباری ادارہ بنادیں۔ احسان، محبت، ایثار ختم کردیں۔ عورت، شوہر اور بچوں کے جو کام کرے اس کی تنخواہ دی جائے یعنی ممتا کا گلا گھونٹ دیں، زوجیت کو کاروبار بنادیں۔ کاش! یہ عورتیں اور مرد جان سکیں کہ اللہ نے تو حکم دیا ہے کہ عورت کی ہر ضرورت کا کفیل مرد ہوگا۔ اپنی آمدن کے مطابق اس کو گھر اور ذاتی استعمال کے لیے بن مانگے خرچ دے گا۔ انہیں کیا پتا کہ اچھے مسلمان گھرانوں میں شوہر ساری کمائی لا کر بیوی کے ہاتھ پر رکھتا ہے اور سگھڑ بیوی اس سے گھر بھی چلاتی ہے اور معاشرتی تقاضے بھی پورے کرتی ہے۔ میاں بیوی میں اس سے محبتیں اور اعتماد پروان چڑھتا ہے جس کے سائے میں نسلیں پرورش پاتی ہیں۔

☆ غلامی کی جدید قسم:

انسانی سمگلنگ (Human Trafficking) کی روک تھام پر بھی پروگرام کیے گئے۔

☆ اسی طرح ایک عنوان تھا ''ماؤں کے لیے معاشرتی تحفظ میں بہتری

"Enhancing social protection especially for mothers"

بظاہر یہ اچھا عنوان تھا لیکن فکرمندی والی بات تھی کہ آج ماں کو اس کی ضرورت پیش آ گئی کہ اس پر آواز اٹھائی جائے کہ ماں کو بھی سوشل پروٹیکشن دی جائے۔ اللہ ہمیں توفیق دے کہ اسلام میں ماں کہ جتنے سماجی، معاشرتی اور اخلاقی حقوق دیئے ہیں وہ ہم دنیا تک پہنچا سکیں اور انہیں اسلام کا یہ روشن چہرہ دکھا سکیں۔ دنیا کو بتا سکیں کہ اسلام کا سافٹ امیج وہ نہیں جو آج کے دین بیزار لوگ دکھا رہے ہیں۔ دراصل سافٹ امیج یہ بہترین قوانین ہیں، یہ روشن چہرہ ہے جو دنیا کو دکھانے کی ضرورت ہے کہ عورت کو مختلف معاشرتی حیثیتوں میں جو سوشل پروٹیکشن اللہ نے دی ہے کہ وہ مرد سے کئی گنا زیادہ ہے۔ بہرحال وہاں پر ماں کے حق میں آواز اٹھائی جارہی تھی اور اس کے حقوق کے بارے میں مطالبہ کیا جارہا تھا کیونکہ وہاں اسلام نہیں ہے۔

اس سیشن کے بعد جب ہم نکلے تو وہاں ہماری ملاقات ایک بہن سے ہوئی۔ تقریباً 23,22 سال کی لڑکی تھی۔ وہ وہیل چیئر پر جارہی تھی۔ ہم نے اس کی طرف دیکھا وہ بھی ہمیں دیکھ کر رک گئی۔ جب ہمارا تعارف ہوا تو پتا چلا کہ وہ بنگلہ دیش سے آئی ہیں۔ جیسے کہ میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا تھا کہ وہاں ایک ایسوسی ایشن وقتاً فوقتاً ایسے لوگوں سے ملاقات ہوتی رہتی تھی جو اسی طرح کسی خاص این جو او کے تحت کسی مشن پر آئے تھے۔ بہرحال ان کے ساتھ ملاقات بہت اچھی رہی۔ انہوں نے بتایا کہ ان کے والدین کا تعلق بھی اس علاقے کی جماعت اسلامی سے رہا ہے اور انہوں اپنے ملک حالات بتائے۔ وہ بچی اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ امریکہ آئی ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ کچھ خواتین کو ایوارڈز بھی دیئے گئے جیسے ایک ایوارڈ یافتہ کتاب کا پوسٹر جگہ جگہ لگا ہوا تھا How dare the sun

rise? سورج کو کیسے جرت ہوئی کہ وہ نکلے۔ یہ کانگو کی ایک لڑکی (Sandra Uwiringi-yimana) کی داستان ہے جو اس نے خود لکھی ہے، جو اپنے ملک میں تعصب کا نشانہ بننے کے بعد ملک کے اندر ہی مہاجر (IDPS) بن گئے۔ کیمپ پر ایک گوریلا گروپ نے حملہ کر کے سینکڑوں افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا تو یہ فیملی دیگر مہاجرین کے ساتھ امریکہ منتقل ہو گئے۔ جہاں انہیں نسلی اور کالے رنگ کے تعصب کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ نوجوان لڑکی ان حالات میں پناہ گزینوں کے حقوق کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک Social activist بن گئی اور بالآخر امریکہ میں اپنے حقوق حاصل کیے۔ یہ کتاب اس لڑکی کی جدوجہد کی کہانی ہے۔ بحرین والوں کی ایک Side event تھی جس میں انہوں نے شہزادی سبیتا بنت ابراہیم الخلیفہ کا گلوبل ایوارڈ ان خواتین کو دیا جنہوں نے ان کے خیال میں بہت اچھا کام کیا تھا Princes Sabeeta Bint Ibrahim Alkhalifa's Award for women Empowerment

بس اسی طرح کے عنوانات اور بحثیں گویا گیارہ دن جاری رہیں۔ کچھ اچھی چیزیں بھی سننے دیکھنے کو ملیں۔ پاکستان، قطر، گیمبیا نے فیملی واچ تنظیم کے ساتھ مل کر عورت اور لڑکیوں کے سماجی تحفظ پر خاندان کے حوالے سے بات کی جو کہ ایک مثبت کوشش تھی۔

☆ ترکی اور کچھ دیگر ممالک نے شام اور دیگر علاقوں کی جنگ سے متاثرہ خواتین کی بہبود اور سماجی تحفظ پر پروگرام کیے۔

ہمارا لائحہ عمل:

اس اجلاس کو Attend کرنے کے بعد جو چیزیں میرے ذہن میں آ رہی ہیں کہ بطور ایک اسلامی تحریک کے اور اللہ کے دین کے داعی ہونے کی حیثیت سے اس سب پسِ منظر میں ذمہ داریاں کیا بنتی ہیں اور ہمیں اپنے کاموں کو کس طرح سے ترتیب دینا چاہیے کہ ایک جانب تو ہم مختلف پروگراموں کو سمجھ سکیں اور دوسری جانب ہم proactive پروگرام جو انسانیت اور عورت کی فلاح پر مبنی ہے یعنی دینِ اسلام کی تعلیمات کو ہم کس طرح آگے بڑھا سکیں۔ میں نقطہ وار چند باتیں کرنا چاہوں گی۔

1۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان عالمی طاقتوں کے پروگرام سے صحیح آگاہی حاصل کریں۔ ان کو پڑھیں، سمجھیں اور ان پروگرامز کے اندر شرکت کر کے انکے اصل مقاصد کو سمجھیں اور پہچانیں۔

2۔ ان کو سمجھنے کہ بعد ہم پرکھیں کہ ان میں کیا چیزیں درست ہیں اور کونسی درست نہیں۔ ہر چیز کی نفی مقصود نہیں ہے۔ انکے پروگرام چاہے وہ سیڈا کنونشن ہے، بیجنگ پلس 5 ہے یا CSW ہے ان میں جو کچھ درست ہے ان کو ہم Acknowledge کریں۔ اپنے معاشرے کے اندر ایسی کوئی رسومات موجود ہیں جو عورت اور خاندان کے استحصال پر مبنی ہیں یا معاشرے میں ایسی چیزیں موجود ہیں جو کسی بھی کمزور طبقے کی نفی کرتی ہیں یا اسکی حق تلفی کرتی ہیں تو ہم بھی انکی نفی کریں اور ان کے خلاف آواز اٹھائیں کیونکہ یہ ہمارا دینی فریضہ ہے کہ ہم معاشرے کے کمزور طبقات کیلئے آواز اٹھائیں اور انکی عملی مدد کرنے کی کوشش کریں۔

3۔ ہم اسلامی تحریکیں اور مسلم Activist Groups اپنی درست پہچان کرائیں کہ بحیثیتِ مسلمان ہم عورت، خاندان اور معاشرے کے لئے کیا پروگرام

کرتے ہیں۔ہم صرف کسی کے پیش کئے گئے اقدامات کے ردِعمل کے طور پر کام کرنے والے نہیں بلکہ ہم اپنے مقاصد اور کام کو خود سمجھیں جو اللہ تعالیٰ نے بحیثیتِ خالق اور نبی کریم ﷺ نے بطور اللہ کے نبی اور پیغمبر ہمیں دیا ہے اسلام کی صورت میں ہم اس پہچان کو مضبوط کریں۔ہم عورت اور معاشرے کی فلاح کا حقیقی منصوبہ بنائیں۔اگرچہ ہمارے پاس یہ منصوبے موجود ہیں اور ہم ان پر کام کرتے ہیں لیکن ان کو واضح کرنے، آگے بڑھانے اور ان کو پیش کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم ایسے لوگ نہیں ہیں جو عورت یا عورت کے حقوق پر کوئی منفی رائے رکھتے ہیں اور ایسا نہیں ہے کہ ہم اس بات کو نہیں سمجھتے کہ معاشرے میں عورت کا مقام کیا ہے۔ہم اس کو بہت اچھی طرح سے سمجھتے ہیں لہٰذا ہم عورت کی فلاح کیلئے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی روشنی میں اور اپنے آئین وقانون کی بنیادوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ منصوبہ بنائیں اور پیش کریں اور اسکو مشتہر کریں تاکہ اسلامی تحریکوں کے خلاف جو منفی پروپیگنڈے ہیں انکو دور کیا جاسکے اور ہم اپنا مثبت تعارف دنیا کہ آگے پیش کرسکیں۔

4۔ اہم ضرورت یہ ہے کہ معاشرے کہ اندر ہمیں اور ہمارے ہر بچے کو معلوم ہو کہ اسلام، عورت کا اصل مقام کیا طے کرتا ہے، خاندان کے اندر عورت کی کیا اہمیت ہے، مرد اور بچوں کی کیا اہمیت ہے، خاندان کے اندر بزرگوں کا کیا مقام ہے، اور معاشرے کی فلاح کس چیز میں ہے۔یہ وہ بنیادیں ہیں جو ہمارے ہر داعی کو اور ہمارے ہر اس کارکن کو ازبر ہونی چاہئیں جو معاشرے میں کام کررہا ہے۔جب اسکو خود ان بنیادوں کا علم ہوگا تو وہ کسی دوسرے پروپیگنڈے سے متاثر نہیں ہوگا۔اسکے سامنے ایک واضح نقشہ ہوگا کہ اسلام نے مجھے کیا سکھایا۔اسے معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بغیر راہنمائی کہ پیدا نہیں کیا، مکمل راہنمائی دی ہے۔آج عالمی پروگرام کے تحت خواتین جو حقوق مانگ رہی ہیں اس سے کئی گنا زیادہ حقوق اللہ تعالیٰ عورت کیلئے مختص کرچکا ہے لیکن ہمیں ان سب کا علم ہو اور پھر یہ علم اپنی نئی نسلوں تک بھی منتقل کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے۔

5۔ اسی کے ذیل میں آئندہ اگر ہم یواین کی کانفرنس میں جائیں تو زیادہ اچھے پروگرام Events تیار کرکے لے کر جائیں اور کوشش کریں کہ ہم اسکو یواین کے اجلاس کے شروع کے دنوں میں کریں کیونکہ آخری دنوں تک لوگ جاچکے ہوتے ہیں۔اب جیسے تقریباً 11 دن کا پروگرام تھا تو 5 دن کے بعد ہی یواین کے فلور پر حاضرین کی تعداد کافی کم ہوچکی تھی۔ہم اس طرح سے پروگرام ترتیب دیں جو شروع کے دنوں میں ہو اور اس میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کی حاضری کو ممکن بنایا جائے اور ایک سے زیادہ Events ہم تیار کریں اور IMWU کے تحت باہم تعاون سے ہم دنیا کے مختلف ممالک کے متعلق پروگرام تیار کرسکتے ہیں تاکہ یواین کہ فلور پر ہم ایک مؤثر آواز بن سکیں۔

6۔ اگلی چیز یہ ہے کہ ہم شیطان کی چالوں کو سمجھیں۔ہم سیدھے سادھے اور بھولے بھالے پروگرام بنانے والے نہ ہوں بلکہ ہم نے یہ دیکھا کہ وہاں سب پروگرام Sugur Coated شکل میں پیش کی جاتی ہیں۔اگر وہ عورت کی صحت پر بات کرتے ہیں تو صحت میں ان تمام چیزوں کہ ساتھ Abortion کا حق بھی شامل کرتے ہیں۔زچہ اور بچہ کی صحت میں اصل میں وہ فیملی پلاننگ کا پروگرام ہوتا ہے اور نسل کشی کی بات کرتے ہیں۔یہ ساری Sugur coated چیزیں ہیں جن کو گھما پھرا کہ پیش کیا جاتا ہے۔یہ شیطانی چالیں ہیں۔ہم ان کو سمجھیں اور ان کا انہی کی زبان میں توڑ کرنا اور انہی

کی اصطلاحات استعمال کرتے ہوئے ان کو جواب دینا اور اس کیلئے بہتر پروگرام ترتیب دینا۔ خواتین کے متعلق جو تنظیمیں اور این جی اوز ہیں وہ ماہرین تیار کریں اور وہ ان پروگراموں کے تجزیے کریں جو کہ پہلے بھی ہوتے ہیں۔ ہم سیڈا کا تجزیہ کر چکے ہیں، ہم بیجنگ پلس 5 کا تجزیہ کر چکے ہیں، ہماری بہنوں نے، ہمارے وکلاء نے، اور ہمارے ماہرین نے کیا ہے۔ ان چیزوں کو ہم مزید آگے بڑھائیں اور ان کو عوام الناس کہ سامنے کھول کہ پیش کریں تا کہ وہ سمجھ سکیں۔

7۔ اگلی چیز حکومتوں پر دباؤ ڈالنے کی ہے۔ حکومتوں کو راہِ راست پر رکھنے کیلئے جو پریشر گروپس بنانے پڑتے ہیں وہ بنائے جائیں کیونکہ ہم نے وہاں دیکھا کہ غیر تو جو کر رہی ہیں سو کر رہی ہیں لیکن مسلمان حکومتیں شاہ سے زیادہ شاہ کی وفادار نظر آ رہی تھیں۔ وہ اپنی رپورٹس اعداد و شمار کے ساتھ آگے بڑھ بڑھ کر پیش کر رہے تھے کہ انہوں نے یو این کا پروگرام کتنے فی صد حاصل کر لیا ہے اور کتنے فی صد 2030 تک حاصل کر لیں گے اور اس کے لئے کیا کچھ کر رہے ہیں اور اس میں ظاہر ہے بہت سی منفی چیزیں بھی شامل تھیں جو کہ منظور کر لی گئی تھیں جیسا کہ ہم پاکستان کہ اندر بھی دیکھتے ہیں کہ عورت کو ہر میدان میں 20، 30 فیصد تک آگے لانے کہ منصوبے کے تحت جو حشر ہو چکا ہے۔ یعنی ایسا نہیں کہ حکومتیں ان پروگرام کو اپنے اطوار و روایات کے مطابق لیں اور اسی کے مطابق اس کے نفاذ کی بات کریں۔ ضرورت ہے کہ اس کے لئے ایک پریشر گروپ ہو جو مسلم ممالک کی حکومتوں کو اس بات پر کھڑا رکھے کہ وہ کسی غلط چیز پر دستخط نہیں کریں گی اور کوئی غلط پروگرام نہیں اپنائیں گی۔ ہمیں خوشی ہے کہ پاکستان کی حکومت اور پاکستان کے لوگوں نے ہمیشہ خاندان کے حق میں آواز اٹھائی ہے فیملی واچ کے ساتھ مل کر کئی چیزوں پر مثلاً ہم جنس پرستی اور اس طرح کے کئی عنوانات کے خلاف ابھی تک سٹینڈ لے رکھا ہے۔ اللہ کرے کے حکومتیں اس پر قائم رہیں لیکن ہماری ذمہ داری بھی بنتی ہے کہ ان معاملات میں ان لوگوں کو تھپکی دیں اور جو اچھے کام کر رہے ہیں ان کی مزید حوصلہ افزائی کریں اور جو غلط چیزیں ہیں انکی نشاندہی کریں اور انہیں اس بات پر مجبور کریں کہ وہ کسی غلط چیز پر قانون سازی نہیں کریں گے۔

8۔ اسکے ساتھ ساتھ فیملی واچ اور اس طرح کے دوسرے ادارے جو خاندان کیلئے کام کر رہے ہیں اور معاشرے کو تباہی سے بچانا چاہتے ہیں، انکی حوصلہ افزائی اور انکی مدد کرنا اور انکے پروگرامز کے اندر شرکت کرنا بھی اور انکو Appreciate کرنا بھی ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

9۔ انٹرنیشنل مسلم یونین IMWU کو فعال کیا جائے۔ بڑے پیمانے پر پروگرامز کرائے جائیں۔ ان کو مشتہر کریں۔ اس میں دیگر مثبت سوچ رکھنے والی این جی اوز کو بھی شامل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر انٹرنیشنل سطح پر اس طرح کی مزید تنظیمیں بن سکتی ہوں تو ان کو بنانے کی بھی کوشش کرنی چاہیئے۔ ایک Ideal چیز ذہن میں آتی ہے کہ جس طرح یو این کے اجلاس میں دنیا بھر سے این جی اوز آتی ہیں، اللہ کرے کہ اسلامی تنظیمیں اس قابل ہو سکیں کہ ہم بھی ایک متوازی اجلاس دنیا میں کر سکیں جو مشتہر بھی ہو اور میڈیا پر بھی نظر آئے۔ اگرچہ اتنا طویل نہ بھی ہو۔ یہ اجلاس یورپ یا امریکہ کے کسی ملک میں کریں۔ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے معاشرے اور عورت کی فلاح کا جو منصوبہ دیا ہے ہم اسکو دنیا کے سامنے پیش کریں۔ اسکے ساتھ اسلامی تنظیموں کا ایک مثبت تصور دنیا کے سامنے لا سکیں۔

10۔ ہمیں اپنے اپنے ممالک میں نظامِ تعلیم اور نصاب پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ کم از کم تحریکی یا تحریکی افراد کے اندر ہم ایسا نظامِ تعلیم بنائیں اور ایسا

نصاب دیں کہ وہ شیطان کی چالوں کو سمجھ سکیں۔ کسی بھی منفی چیز سے متاثر نہ ہوں جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے ہاں مختلف سکولوں اور اداروں سے نکلی ہوئی بچیاں بہت سی منفی قسم کی سرگرمیوں کے اندر اس لئے ملوث ہو جاتی ہیں کیونکہ ان کے پاس صحیح بنیادی تعلیم نہیں ہوتی۔ اگر ہم ایسا نصابِ تعلیم بنانے میں کامیاب ہو جائیں تو یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ Gender based صنف پر مبنی جو جو تعلیمات دی جا رہی ہیں، ان کا مثبت اور منفی پہلو ہم سمجھا سکیں۔ اداروں کے علاوہ بھی نوجوانوں کو ان پروگراموں سے آگاہ کرنا اور انکی بنیادوں کو مضبوط کرنا ہماری ذمہ داری بنتی ہے۔

ایک پروگرام کا ذکر میں نے کیا تھا Gender Inclusive Language کی طرح کی جتنی چیزیں ہیں ان کے بارے میں اسلام دین اور اسلامی تحریکوں کا نقطۂ نظر کیا ہے؟ یہ بھی ہمارے سامنے آنا چاہیئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی بھی تعلیم Gender Based نہیں ہے۔ اللہ نے کہیں بھی کسی بھی صنف کیساتھ کوئی زیادتی نہیں کی۔ عورتوں کو ان کا مقام دیا ہے اور مردوں کو ان کا۔ قرآن میں جتنی مرتبہ "الرجال" کا لفظ آیا ہے اتنی مرتبہ ہی "النساء" کا لفظ آیا ہے۔ اگر اللہ نے مرد کو کسی چیز میں فوقیت دی ہے تو عورت کو کچھ دوسری چیزوں میں فوقیت دی ہے۔ (اس طرح کے عنوانات پر ہم مزید تحقیق کریں) اگر اللہ نے قرآن میں مومنین کو مخاطب کیا ہے تو مومنات کو بھی کیا ہے، مسلمین کو کیا ہے تو مسلمات کو بھی کیا ہے، الرجال کو کیا ہے تو النساء کو بھی کیا ہے اور اگر کوئی عمومی خطاب ہے تو کہیں بھی Man Based نہیں ہے۔ Chairman اور Mankind وغیرہ خود انکی اصطلاحات ہیں۔ اسلام میں ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے "یا ایھا لذین آمنو" کہا "یا ایھا الناس" کہا "یا ایھا لذین کفروا" یعنی انسان کو بحیثیتِ انسان یا بحیثیتِ عقیدہ وعمل ہی مخاطب کیا ہے۔ کہیں بھی صنفی بنیاد پر مخاطب نہیں کیا۔ ان عنوانات پر ریسرچ سامنے لائیں اور واضح کریں کہ ان پر ہمارا مؤقف کیا ہے۔

11۔ ہماری مدرسات دینی تعلیمات کے ساتھ ساتھ ان پروگراموں کو بھی سمجھتی ہوں۔ توازن اور وضاحت کے ساتھ ان چیزوں کو مسلمانوں، غیر مسلموں اور مختلف معاشرتی طبقات کے سامنے پیش کر سکیں کہ خاندان، عورت اور مرد یہ سب الگ الگ اکائیاں نہیں ہیں بلکہ اللہ نے معاشرے کی فلاح کا منصوبہ ایک ہی دیا ہے اور جب معاشرہ فلاح پاتا ہے تو عورت بھی فلاح پاتی ہے۔ مرد بھی اور بچے بھی فلاح پاتے ہیں۔ کمزور طبقوں کے تحفظ کیلئے اسلام نے پورا پورا نظام دیا ہے اور اسکی تاکید بھی کی ہے جیسے یتیم، مسکین، بیوہ عورتیں اور معاشرے کے پسے ہوئے طبقات وغیرہ۔ یعنی مجموعی طور پر اللہ نے منصوبہ دے دیا ہے جس کے اندر سب کی فلاح ہے۔ فلاح کے یہ منصوبے ہمیں از بر ہونے چاہیئں اور ہمیں معاشرے کے سامنے پیش بھی کرنے چاہیئں۔

12۔ اسکے ساتھ ساتھ جو کام ہم کر رہے ہیں اسکو اعداد و شمار کے ساتھ پیش کریں۔ ہم نے دیکھا کہ جب ہم نے یو این او میں اپنا کام پیش کیا تو زبانی کلامی باتوں سے لوگ متاثر نہیں ہوئے۔ جب میں نے انہیں بتایا کہ میں 30 سال سے سوشل ورک کر رہی ہوں تو لوگ اس پر بہت چوکنے ہوئے یعنی جب اعداد و شمار پیش کرتے ہیں تو لوگ اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ جب ہم نے بتایا کہ ہمارے چھوٹی قرضوں کی سکیم اور مواخات کے پراجیکٹ ہم ایک کروڑ سے زائد (10 ملین سے زائد) قرضے دے چکے ہیں، اتنی خواتین کو ہم فائدہ دے چکے ہیں، اتنے بچوں کو ہم تعلیم دے چکے ہیں اور جیل میں ہماری اتنی کلاسز ہو رہی ہیں اور اتنے بچے اس سے مستفید ہو رہے ہیں، گوشۂ عافیت میں ہم اتنی خواتین کو پناہ دے چکے ہیں اور اتنے خاندانوں کی باہم صلاح کرا چکے ہیں۔ یہ

ساری چیزیں لوگوں کو متاثر کرنے والی تھیں۔ ہمارے پاس جو ڈھیروں اعداد وشمار موجود ہیں۔ ہم انکو پیش کرنے کا ڈھنگ سیکھیں اور انکو میڈیا میں بھی پیش کریں اور انکی جامع اور مختصر رپورٹس خواتین کی کانفرنسوں میں بھی پیش کریں۔ ہمارا اگلا Event جو یو این او کے اندر ہو اس میں ان شاءاللہ ہم IMWU کے تمام ممالک کے سارے کام جمع کر کے اعداد وشمار کے ساتھ رکھیں اور اسکے ساتھ ہی ہم اپنے الگ الگ Events بھی رکھیں اور اکٹھی بھی کریں۔ ہم دنیا کو بتائیں کہ مسلم خواتین کسی سے پیچھے نہیں ہیں اور شاید ہم ان سے کچھ زیادہ ہی کام کر رہی ہیں، بغیر تنخواہوں کے کر رہی ہیں، اوقات بھی دے رہی ہیں، مال بھی دے رہی دے رہی ہیں، قوتیں بھی دے رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری ان کاوشوں کو قبول کرے اور ہمیں بہتر طریقے سے ان کاموں کو کرنے اور ان کو کیش کرانے اور ان کو معاشرے میں مؤثر بنانے کی تدابیر بھی سکھائے اور اللہ تعالیٰ ہمارا حامی وناصر ہو، آمین۔

☆.....☆.....☆

9-A Mansoorah Multan Road Lahore. +92 304 4477656 http://drsamiaraheelqazi.com/

ویمن اینڈ فیملی کمیشن جماعت اسلامی پاکستان